ہفت آسمان

ثمینہ راجہ



هفت شہرِ عشق را عطار گرد
ما ہنوز اندر خمِ یک کوچہ ایم

مولانا روم

ترتیب

غزلیں

۱---اشعار	۱۳
۲---ازل سے ساتھ کوئی راز آشنا تو نہیں	۱۴
۳---وہ غم قبول ہے جو تری چشم سے ملے	۱۵
۴--- چند گلے بھلا دیے چند سے در گزر کیا	۱۷
۵--- رہِ فراق کسی طور مختصر کیجے	۱۹
۶--- شجرِ عشق ہمیں دار کے مانند بھی ہے	۲۰
۷--- خشک ہو گئیں نہریں پیڑ جل چکے ہیں کیا	۲۱
۸--- تو بھی رخصت ہو رہا ہے دھوپ بھی ڈھلنے کو ہے	۲۳
۹--- دل رہے گا یونہی بیتاب نظر آتا ہے	۲۵
۱۰--- روح میں کوئی شعلہ نما تھا	۲۶
۱۱---اپنے لئے نہ کارِ مسیحا کرے کوئی	۲۷
۱۲--- قریہ ء خواب میں ہر ایک ذات ہوا کے ساتھ ہے	۳۰

۱۳— دل تو آیا مگر آمادہ دلی آئی نہیں	۳۱
۱۴— سنتے ہیں خوابناک ہے دیکھا نہیں کبھی	۳۳
۱۵— سفر دراز کریں جن کے حوصلے ہیں بہت	۳۴
۱۶— پر کٹ چکے تو قید سے آزاد ہوں نہ ہوں	۳۶
۱۷— خاک یاد آئی صبا یاد آئی	۳۷

نظمیں

۱۸— دوستدارِ دل	۳۹
۱۹— نہیں واقعہ تو نہیں ہم	۴۰
۲۰— بارش میں پہاڑ کی ایک شام	۴۲
۲۱— ہم تمہارے ساتھ تھے	۴۴
۲۲— پرندے	۴۵
۲۳— تصویرِ شناسائی	۴۷
۲۴— نہیں	۴۹
۲۵— شاعری	۵۰
۲۶— انکار	۵۱
۲۷— ایک جادوئی شام	۵۳
۲۸— ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یا رب	۵۵
۲۹— رات زر تار تھی	۵۶
۳۰— تحفہ	۵۷
۳۱— تم نہ جاگے	۵۸
۳۲— پھر وہی داستان	۶۰
۳۳— آسمان کے نیچے	۶۱
۳۴— عجب آرزو ہے یہ	۶۳

غزلیں

۳۵— عجب گداز عجب چشمِ نم سے ملتے ہیں	۶۴
۳۶— پہلوئے گل میں کوئی خار نہیں بن سکتے	۶۶
۳۷— سفر میں عیشِ شبستاں تمہاری آنکھیں تھیں	۶۷
۳۸— افسانۂ غم سنا چکے ہم	۶۹
۳۹— غیروں کی طرح ملو گے تم بھی	۷۱
۴۰— ہنسی ہنسی میں کہیں اک سوال بھی آیا	۷۲
۴۱— میں خود سے پوچھ رہی تھی کہاں گئے مرے دن	۷۵
۴۲— دل غم کے ٹھکانے ہو گئے ہیں	۷۶
۴۳— ہم رہروانِ شوق کا جادہ وہی رہا	۷۷
۴۴— کہیں اس دل کو بہلایا تو ہو گا	۷۹
۴۵— زہرِ غم کام کر گیا شاید	۸۱
۴۶— دریائے فراموشی پایاب نہیں دیکھا	۸۲
۴۷— تم جانے کس دیار میں آباد ہو گئے	۸۳
۴۸— رہتے ہیں اپنے آپ سے کچھ بے خبر سے ہم	۸۴
۴۹— بزمِ مہر و مہ و انجم میں نشیں ہے کوئی	۸۶
۵۰— ہمیں یہ دل جو بہت جتلا دیے گئے ہیں	۸۸

۵۱--- فرق اپنی آرزو میں سرِمو نہ آئے گا ۹۰

نظمیں

۵۲--- میں ایسا پھول ہوں ۹۲
۵۳---تو شرمسار نہ ہو ۹۳
۵۴--- مگر یہ دل ۹۴
۵۵--- مشتری وَتدا لسما پر ۹۷
۵۶--- گُم ۹۹
۵۷--- تعبیر ۱۰۰
۵۸--- خود کردہ را چہ علاج ۱۰۱
۵۹--- درخت ۱۰۳
۶۰--- پردے ابھی مت ہٹاؤ ۱۰۴
۶۱--- خموشی ۱۰۶
۶۲--- ہم تو بس اک خوابنائے سے گزر کر آئے ہیں ۱۰۷
۶۳--- حیرت ۱۰۹
۶۴--- کہیں کچھ کھو گیا ہے ۱۱۰
۶۵--- عمروں کے دکھ ۱۱۱
۶۶--- بساط ۱۱۳
۶۷--- لیلائے وصل ۱۱۴

غزلیں

۶۸--- کسی کے حلقہء امید سے نکلتے ہی ۱۱۶
۶۹--- فریبِ صبح و شب کم گماں سے اٹھتا ہے ۱۱۷
۷۰--- کم انتہائے شوق سے آگے چلے تو کیا ۱۱۹
۷۱--- آنکھ میں پھیل گئیں وسعتیں صحراؤں کی ۱۲۱
۷۲--- رہ گزر میں نہ گھر میں رہتا ہے ۱۲۳
۷۳--- کیوں بجھ گئے چراغ کہیں روشنی نہیں ۱۲۵
۷۴--- رو لیجئے کہ پھر کوئی غم خوار ہو نہ ہو ۱۲۷
۷۵--- ایک اک زخم رکھا ہے سرِدنیا دل کا ۱۲۹
۷۶--- جب سے نہیں انتظار میں ہم ۱۳۱
۷۷--- اس کی پہچان تو کچھ شب کی سیاہی سے ہوئی ۱۳۲
۷۸--- نجانے کس کے اثر میں بہت دنوں سے ہوں ۱۳۳
۷۹--- سکوتِ لب سے کبھی چشمِ نم سے ملتے ہیں ۱۳۵
۸۰--- رات جوان ہو گئی پر تو ماہتاب سے ۱۳۶
۸۱--- ہمیں بھی انتہا کرنی پڑے گی ۱۳۸
۸۲--- جب مسافر آ کے اترے قربِ شہریار میں ۱۳۹
۸۳--- شبِ ہجر نے مرے دل کو جب سرِ رہ چراغ بنا دیا ۱۴۱
۸۴--- تیری بزمِ رنگ و جمال سے چلے آئے ہیں ۱۴۳
۸۵--- فشارِ چشم و سودائے دل نہیں ہوتی ۱۴۴

نظمیں

۸۶--- ایک کنول ۱۴۶
۸۷--- وہ خیال تھا کہ ملال تھا ۱۴۷

۸۸۔۔۔ خزاں	۱۴۹
۸۹۔۔۔ یاس	۱۵۰
۹۰۔۔۔ بال بکھرائے ہوئے رات چلی آتی ہے	۱۵۱
۹۱۔۔۔ پُتلی تماشا	۱۵۳
۹۲۔۔۔ فراغت	۱۵۷
۹۳۔۔۔ محبت بھول تو ہرگز نہیں تھی	۱۵۸
۹۴۔۔۔ جفا	۱۶۰
۹۵۔۔۔ معبد	۱۶۱
۹۶۔۔۔ وطن کے لئے	۱۶۳
۹۷۔۔۔ جب کوئی گاتا ہے	۱۶۶
۹۸۔۔۔ آگ	۱۶۹
۹۹۔۔۔ زندگی جو کہانی بن گئی	۱۷۱
۱۰۰۔۔۔ مگر میری آنکھیں	۱۷۳
۱۰۱۔۔۔ ہفت آسمان	۱۷۵

آ میرے خیال میں در آ کہ تُو ہے
دے مجھ کو بھی دے یہ آسرا کہ تُو ہے

ہے خواب اگر تو پاس آ کہ میں ہوں
ہے عشق اگر تو جگمگا کہ تُو ہے

ازل سے ساتھ کوئی راز آشنا تو نہیں
یہ میرا دل کسی شاہد کا آئینہ تو نہیں

ہر ایک سانس کے ساتھ ایک آہ گونجتی ہے
نفَس نفَس میں کسی درد کی ثنا تو نہیں

کسی کے خواب کی تعبیر تو نہیں ہیں ہم
وہ خواب اور کسی خواب سے بنا تو نہیں

جو کاٹ آئے ہیں، دکھ کا عجیب جنگل تھا
جو آنے والا ہے پہلے سے بھی گھنا تو نہیں

صدائے انجم و مہتاب پر بھی دل خاموش
یہ خاکداں کی کشش ہے، مری اَنا تو نہیں

یہ شش جہات ہیں اور ان کے بعد ہے اک ذات
اس آئینے میں پھر اپنا ہی سامنا تو نہیں

وہ غم قبول ہے جو تیری چشم سے ملے
ہم کو ہنر تمام، اِسی زخم سے ملے

روشن ہے ساری زندگی اِس دل کی آگ سے
اور دل کو آنچ اک سخنِ گرم سے ملے

جب رنگ و نور و نغمہ نہیں اختیار میں
اک اعتبارِ شوق ہی اُس بزم سے ملے

دل کو لپیٹ لیتا ہے اک ریشمیں خیال
جب بھی نگاہ اُس نگہِ نرم سے ملے

اِس دل کے سارے خواب، محبت کے سب گلاب
اک شعر سے کھِلے، کبھی اک نظم سے ملے

ہمراہ چل رہا تھا فلک بھی تمام شب
یوں اہلِ خاک و خواب، مہ و نجم سے ملے

دل میں تو اِن کی آب کوئی دیکھتا نہ تھا
دُرِ ثمین تھے جو درِ چشم سے ملے



چند گلے بُھلا دیے چند سے درگزر کیا
قصہ ء غم طویل تھا جان کے مختصر کیا

جھوٹ نہیں تھا عشق بھی، زیست بھی تھی تجھے عزیز
میں نے بھی اپنی عمر کو اپنے لیے بسر کیا

جیسے بھی تیرے خواب ہوں جو بھی ترے سراب ہوں
میں نے تو ریت اوڑھ لی میں نے تو کم سفر کیا

تیری نگاہِ ناز کا لطف و گریز ایک ساتھ
شوق تھا کچھ اگر رہا، رنج تھا کچھ اگر کیا

ٹوٹ کے پھر سے جُڑ گیا خواب کا زرد سلسلہ
میں نے ترے فراق کو نیند میں ہی بسر کیا

راہ بہت طویل تھی راہ میں اک فصیل تھی
اُس کو بھی مختصر کیا' اِس میں بھی ایک در کیا

ہم تو عجیب لوگ تھے ہم کو ہزار روگ تھے
خوب کیا جو آپ نے غیر کو ہم سفر کیا

رہِ فراق کسی طور مختصر کیجے
جو ہو سکے تو کبھی خواب سے گزر کیجے

ہمارے دل میں بھی منظر عجیب سیر کا ہے
نہ آ سکیں تو بلندی سے ہی نظر کیجے

یہاں پہ چاروں طرف ہے سراغ رستوں کا
پر اختیار کوئی راہ' دیکھ کر کیجے

یہ شہر و کوہ و بیابان و دشت و دریا تھے
اب آگے خواب ہے' رک جایئے بسر کیجے

بنے تھے خاک سے' ہم کو قیام کرنا تھا
ہَوا ہیں آپ' اُڑا کیجئے' سفر کیجے

ہم اپنے عہدِ تمنا پہ اب بھی قائم ہیں
ذرا شریکِ تمنا کو بھی خبر کیجے



شجرِ عشق ہمیں دار کے مانند بھی ہے
دل کسی شاخِ طرب ناک سے پیوند بھی ہے

دلِ ناداں سے نہیں اہلِ جہاں سے پوچھو
کوئی میثاقِ محبت پہ رضامند بھی ہے

درگزر بامِ وفا سے کہ جنوں خیز ہُوا
یہ چراغ ایک شبِ وعدہ کا پابند بھی ہے

رات، تنہائی، تعاقب میں مسلسل کوئی چاپ
اور جب علم ہو آگے یہ گلی بند بھی ہے

چھوڑ بھی آئے وہ گھر بھول بھی آئے ہیں وہ یاد
دل میں کچھ ٹوٹے ہوئے تیر کے مانند بھی ہے

دستکِ ہجر سے ٹوٹی تھی مری نیند سو اب
رات بھی باقی ہے اور خواب کا در بند بھی ہے



خشک ہو گئیں نہریں پیڑ جل چکے ہیں کیا
کچھ چمن تھے رستے میں، دشت ہو گئے ہیں کیا

ایک ایک سے پوچھا ہم نے ایک وحشت میں
زندگی کے بارے میں آپ جانتے ہیں کیا

التفات مشکل ہے بات تو کیا کیجے
ہم نہیں بُرے اتنے، اتنے ہی بُرے ہیں کیا

اپنی زندگانی کو اور رائیگانی کو
ہم اٹھائے پھرتے ہیں لوگ دیکھتے ہیں کیا

یونہی آتے جاتے ہو بے سبب ستاتے ہو
سنگ تو نہیں ہیں ہم، راہ میں پڑے ہیں کیا

خواب دیکھنے والے معتبر ہوئے کیسے
یہ پرانے سکّے یاں پھر سے چل رہے ہیں کیا

صبر کر لیا جائے اب بھی جانے والوں پر
پہلے جانے والے بھی واپس آ سکے ہیں کیا

ہم نے اک تمنا کا راستہ چُنا تو ہے
ایک راستے میں بھی اور راستے ہیں کیا

اشتیاق کتنا تھا اور فراق کتنا تھا
جانے پوچھتے ہیں کیوں، جانے پوچھتے ہیں کیا

جب رہا نہ کچھ چارہ ہم نے ہار مانی تھی
بس یہی کہانی تھی، آپ رو پڑے ہیں کیا



اُتو بھی رخصت ہو رہا ہے دھوپ بھی ڈھلنے کو ہے
میرے اندر اک چراغِ شامِ غم جلنے کو ہے

کب تلک اِس ہجر میں آخر کو رونا چاہیے
آنکھ بھی خوں ہو گئی دامن بھی اب گلنے کو ہے

گلستاں میں پڑ گئی ہے رسمِ تجسیمِ بہار
اپنے چہرے پر ہر اک گُل، خونِ دل ملنے کو ہے

اجنبی سی سر زمیں، ناآشنا سے لوگ ہیں
ایک سورج تھا شناسا، وہ بھی اب ڈھلنے کو ہے

ہر نئی منزل کی جانب صورتِ ابرِ رواں
میرے ہاتھوں سے نکل کر میرا دل چلنے کو ہے

شہر پر طوفان سے پہلے کا سناٹا ہے آج
حادثہ ہونے کو ہے یا سانحہ ٹلنے کو ہے

اک ہوائے تُند اور ہمراہ کچھ چنگاریاں
خاک سی اُڑنے کو ہے اور آگ سی جلنے کو ہے

سامنے ہے نیند کی لمبی مسافت آج شب
کاروانِ انجم و مہتاب بھی چلنے کو ہے



دل رہے گا یونہی بیتاب' نظر آتا ہے
جاگنے پر بھی وہی خواب نظر آتا ہے

سامنے دیکھوں تو پڑتا ہے مرے دل پہ وہ عکس
مُڑ کے دیکھوں تو وہ مہتاب نظر آتا ہے

کھائے جاتا ہے مرے باغ کے ہر پیڑ کو گھُن
دُور ہی دُور سے شاداب نظر آتا ہے

غُسل کے واسطے شبنم نہیں ہو گی کافی
سایہ ء گل جو تہہِ آب نظر آتا ہے

ہے مری نیند کے ملبے پہ ہی تعمیر اِس کی
یہ جو اک خوابِ پسِ خواب نظر آتا ہے

کیا عجب شہرِ تمنا تھا ابھی' اور پَل میں
پردۂ چشم پہ سیلاب نظر آتا ہے



روح میں کوئی شعلہ نُما تھا
جسم جل کر سنہرا ہوا تھا

چاندنی روشنائی بنی تھی
اس نے خوابِ محبت لکھا تھا

اب وہ خوشبو کہیں کھو گئی ہے
جس کے ریلے میں دل بہہ گیا تھا

اب وہ آنکھیں فسانہ ہوئی ہیں
ہوش پر جن کا جادو چلا تھا

آج تک یہ سمجھ میں نہ آیا
دوستی تھی کہ کچھ عشق سا تھا

ہجر سے خشک تھیں میری آنکھیں
دور تک ایک بادل گھِرا تھا



اپنے لئے نہ کارِ مسیحا کرے کوئی
یہ زخم وہ نہیں جسے اچھا کرے کوئی

دل کے لئے تو حرفِ تسلی بھی موت ہے
اپنی نگارِ غم کو نہ رُسوا کرے کوئی

آنکھیں بجھیں کہ انجم و مہتاب بجھ گئے
اب آئے اور آ کے اُجالا کرے کوئی

سرو و سمن اُداس، دلِ یاسمن اُداس
بادِ صبا کے ساتھ ہی گزرا کرے کوئی

اِس طبع سے نباہ ہے بھلا کون عمر بھر
غم ہو کوئی تو اُس کا مداوا کرے کوئی

تُو جگمگائے مہرِ جہاں تاب کی طرح
اک پھول کی طرح تجھے دیکھا کرے کوئی

ایسا نہ ہو کہ زخمِ ہُنر تیرے نام ہو
ایسا نہ ہو کہ شہر میں چرچا کرے کوئی

یہ سچ ہے کوئی تجھ سے بچھڑ کر نہ خوش رہا
کیا ہو جو ایک بار ہی ایسا کرے کوئی

کیا ہو جو آرزو سے تری، ہاتھ کھینچ لے
اِس بار صرف اپنی تمنا کرے کوئی

رکھ آئے تیرا غم، غمِ دنیا کے روبرو
پھر دُور بیٹھ کر ہی تماشا کرے کوئی

اب میں ہوں اور ایک مسلسل فشارِ خواب
آنکھوں پہ گہری نیند کے در وا کرے کوئی

باغِ جہاں ہے حدِ نظر تک کھِلا ہُوا
حدِ نظر سے دُور نظارہ کرے کوئی

ایسا نہ ہو کہ راز کے بعد ایک راز ہو
اپنے سِوا بھی مجھ پہ ہویدا کرے کوئی



قریہ ء خواب میں ہر ایک ذات ہَوا کے ساتھ ہے
چاند ہَوا کے ساتھ ہے، رات ہَوا کے ساتھ ہے

تجھ سے ہی جب بچھڑ گئے اب کوئی ہمسفر سہی
شاخ سے جب جُدا ہوا، پات ہَوا کے ساتھ ہے

دیدۂ گُل سے بڑھ کے کون آج ہے گلشن آشنا
سرو و سمن شکار خو، گھات ہَوا کے ساتھ ہے

چشم و دلِ تباہ نے جس کو رکھا سنبھال کر
لغزشِ لب کے ساتھ ہی، بات ہَوا کے ساتھ ہے

روشنی کی سپہ ہے یہ ساتھ چراغ لائے گی
یہ بھی سبھی کو علم ہے، مات ہَوا کے ساتھ ہے

راہ میں ہیں جمے ہوئے پرچمِ خواب تھام کر
پاؤں زمیں کے ساتھ ہیں، ہاتھ ہَوا کے ساتھ ہے



دل تو آیا مگر آمادہ دِلی آئی نہیں
زندگی میں شبِ بے راہروی آئی نہیں

ایک مدت سے مرے لب پہ ہنسی آئی نہیں
پاس سے گزری مگر گھر میں خوشی آئی نہیں

تن پہ اک رات لپیٹے ہوئے بیٹھے ہی رہے
خواب بھی اُترا نہیں، روشنی بھی آئی نہیں

اِس مسافت کو بہت پاؤں سے ہم ناپ چکے
راستہ ختم ہُوا، اُس کی گلی آئی نہیں



اِس قدر بھی نہیں بیتابِ تمنا، لیکن
عشق میں دل کو ابھی بے طلبی آئی نہیں

رنج کچھ اور مراسم سے بڑھے جاتے ہیں
جس قدر چاہئے بیگانہ روی، آئی نہیں

کھینچتی ہے مجھے ایک اور ستارے کی کشش
اور امکاں میں ابھی بال و پری آئی نہیں

اب کہاں لوٹ کر آئے گی بھلا عمرِ عزیز
ایک ساعت بھی اگر بیتی ہوئی آئی نہیں



سنتے ہیں خوابناک ہے، دیکھا نہیں کبھی
اک شہر زیرِ خاک ہے دیکھا نہیں کبھی

کہتے ہیں لوگ، شہرِ تغافل کے درمیاں
اک کوچہ ء تپاک ہے، دیکھا نہیں کبھی

رہتا ہے وہ بھی میری طرح اک خیال میں
کس درجہ انہماک ہے، دیکھا نہیں کبھی

سودائے عشق اُس کے بھی سر میں رہا اگر
دامانِ ضبط چاک ہے، دیکھا نہیں کبھی

لہجے میں آنسوؤں کی نمی ہے ترے، مگر
جو زخم دردناک ہے، دیکھا نہیں کبھی

آنکھوں میں جھلملاتی ہوئی کوئی ضَو سی ہے
شعلہ جو زیرِ خاک ہے دیکھا نہیں کبھی



سفر دراز کریں، جن کے حوصلے ہیں بہت
ہم اپنے دل کی مسافت سے تھک گئے ہیں بہت

وہ بے قرار نہ کیوں نیند کے نگر میں رہیں
جو جاگتے ہیں بہت، خواب دیکھتے ہیں بہت

وہ خوش گمان رہیں جو سحر تک آ پہنچے،
گرفتِ شب میں جو آئے تھے ڈر چکے ہیں بہت

وہیں پہ مسخ ہیں چہرے وفورِ نفرت سے
جہاں پہ اہلِ محبت کے تذکرے ہیں بہت

جو دل میں تھے در و دیوار پر نظر آئے
حروفِ عشق مری آنکھ نے لکھے ہیں بہت

جو ہو سکے تو کتاب اور چراغ بجھوا دو
کہ آنے والے زمانوں میں رت جگے ہیں بہت

نہیں تھا ہاتھ میں کچھ، دل میں اک بھروسا تھا
سو ایک بند ہُوا اور در کُھلے ہیں بہت

نہ ہو کہ وقت کو پھر اُلٹی چال چلنی پڑے
یہ لوگ عمرِ گذشتہ کو ڈھونڈتے ہیں بہت

نظر تو آج تلک زیرِ بارِ احساں ہے
مگر یہ دل کہ اِسے آپ سے گِلے ہیں بہت

سُنا ہے ہم کو بھی اب زندگی پکارتی ہے
کہو کہ صورتِ دیوار جی لئے ہیں بہت



پر کٹ چکے تو قید سے آزاد ہوں نہ ہوں
ہم صید ہی رہیں گے وہ صیاد ہوں نہ ہوں

ہم کو نشاطِ یاد میں رہنا ہے عمر بھر
قول و قرار آپ کو اب یاد ہوں نہ ہوں

گُل کا جمال صورتِ خوشبو سدا رہے
صحنِ چمن میں آشیاں برباد ہوں نہ ہوں

ہم کو تو جیسے رونے کی عادت سی ہو گئی
اب تیرے ہاتھ سے ستم ایجاد ہوں نہ ہوں

قائم رہے شِکوُہ ترا، زعمِ شہریار
ہم لوگ شہرِ عشق میں آباد ہوں نہ ہوں

طے ہے کہ اب خوشی سے دل و چشم ہیں تہی
یہ کم نصیب مائلِ فریاد ہوں نہ ہوں



خاک یاد آئی صبا یاد آئی
تیرے گلشن کی فضا یاد آئی

شام رُک رُک کے اُترتی تھی جہاں
وادیء خواب نُما یاد آئی

دل میں پھر جاگ اُٹھا شہرِ جمال
پھر وہی آب و ہَوا یاد آئی

وہ بہت دُور ترے ساتھ سفر
راہ کی شوق سَرا یاد آئی

دل سے لپٹا ہے کئی روز کا ہجر
نہ تو بُھولی نہ دعا یاد آئی

رات گزری نہ مجھے چین آیا
بات بُھولی ہوئی کیا یاد آئی

آئینہ دیکھ لیا تیرے بغیر
خود کو میں حد سے سوا یاد آئی



دوستدارِ دل

مشکل میں ہوں تو کس سے کریں آہ و زاریاں
کس در پہ جانا چاہئے اور رونا چاہئے
خوش ہوں تو کس کے سامنے جا کر ہوں سجدہ ریز
دامانِ شکر، دیدۂ نم، قلبِ مطمئن
کس آستاں پہ نذر کریں حاصلِ حصول
سب واقعاتِ رنج و مسرت میں عمر بھر
کس در پہ جانا چاہئے اور رونا چاہئے
ہر آدمی کو چاہئے اک دوستدارِ دل
ہر آدمی کا ایک خدا ہونا چاہئے

نہیں واقعہ تو نہیں ہم

نہیں واقعہ تو نہیں ہم
نجانے گئی شب کے ویران ماتھے پہ
کس نے ہمیں لکھ دیا

ہم تو خواہش کے کہرے میں لپٹے ہوئے
مخملیں گھاس پر
برف سی چاندنی کے تلے
اک ذرا سو گئے تھے

ہمیں کیا خبر
ہم کو دنیا نے آواز دی تھی
اگر کوئی آواز آتی تو---
نیند اتنی گہری کہاں تھی!

ہمیں کیا خبر، ہم کو تم نے پکارا تھا
تم نے پکارا جو ہوتا
تو ہم کوئی پاتال میں تو نہ تھے

ہم تو خوابوں کے گلزار میں تھے
وہیں سبزہ زاروں میں
مہکے ستاروں کے نیچے
دہکتے گلابوں میں
شبنم کے مانند
کچھ دیر کو کھو گئے تھے

نہیں گمشدہ تو نہیں ہم
نجانے یہ گہرے گھنے ہجر کی زرد ساعت پہ
کس نے ہمیں----

بارش میں پہاڑ کی ایک شام

بہت تیز بارش ہے
کھڑکی کے شیشوں سے بوچھاڑ ٹکرا رہی ہے
اگر میز سے سب کتابیں ہٹا دوں تو چائے کے برتن رکھے جا سکیں گے
یہ بارش بھی کیسی عجب چیز ہے
یوں بیک وقت دل میں خوشی اور اداسی کسی اور شے سے کہاں
تم جو آؤ تو کھڑکی سے بارش کو اک ساتھ دیکھیں
ابھی تم جو آؤ تو میں تم سے پوچھوں کہ دل میں خوشی اور اداسی
---------------- مگر جانتی ہوں کہ تم کیا کہو گے:

مری جان!
اک چیز ہے تیز بارش سے بھی تُند

جس سے بیک وقت ملتی ہے دل کو خوشی اور اُداسی
محبت!،

مگر تم کہاں ہو؟
یہاں سے وہاں رابطے کا کوئی بھی وسیلہ نہیں ہے
بہت تیز بارش ہے اور شام گہری ہوئی جا رہی ہے
نجانے تم آؤ نہ آؤ
میں اب شمع دانوں میں شمعیں جلا دوں
کہ آنکھیں بُجھا دوں؟

ہم تمہارے ساتھ تھے

بہت ہی شاد ہم تمہارے ساتھ تھے
بہت ہی مختلف لگی یہ زندگی
بہت عجیب تھے زمین و آسماں
فضا میں سرمئی سا اک غبار تھا
افق پہ سارے رنگ جیسے زرفشاں
وہ باغِ سبز رُو، ہمارے چار سُو
اور اک روِش پہ ہم تمہارے ساتھ تھے
تمہارے ساتھ ہم، ہمارے ساتھ تم
اور اپنے اپنے خوابِ آرزو میں گم
تم اپنی دُھن میں تھے، ہم اپنی لہر میں
بوقتِ یاد ہم تمہارے ساتھ تھے

پرندے

پرندے بہت شور کرنے لگے ہیں
مری نیند کچی بہت ہے
ذرا تیز آہٹ، بہت ہلکی دستک سے ڈرتی ہے
اور ٹوٹ جاتی ہے
اک بار اگر ٹوٹ جائے تو پھر، رات بھر اگلے دن کے مسائل
ادھورے سے کچھ خواب، اور کروٹیں-----
اور کہا تھا کہ مت لے کر آؤ
ہواؤں فضاؤں کے عادی یہ ننھے پرندے
یہ اِس قید میں گھُٹ کے مر ہی نہ جائیں
یہ بچے بھلا مانتے ہیں کسی کی------!

مگر سخت حیرت ہے مجھ کو پرندوں پہ
اِس قید میں روز دانہ بھی کھاتے ہیں
اور چہچہاتے ہیں

لکھتی ہوں اور ساتھ ہی ہنس پڑی ہوں
کہ اک عمر دانہ بھی کھایا ہے
نظمیں بھی لکھی ہیں
پرواز کی آرزو بھی کہیں دل میں رکھی ہے
لیکن
پرندے تو جب چاہتے ہیں بہت شور کرتے ہیں

تصویرِ شناسائی

پھر دھوپ ڈھلی سر سے
اور شام اُتر آئی
سب لوگ چلے آگے
اس کوچہ ء غربت سے
بیٹھے ہیں مگر رہ میں
دل گیرِ شناسائی

جاتے ہوئے لوگوں میں
اک شخص عجب دیکھا
اُس عالم وحشت میں
لٹنے کا سبب دیکھا
پھر دل میں چھنک اٹھی
زنجیرِ شناسائی

ہم لوگ نہیں سوتے
اور کھُل کے نہیں روتے
کیوں دل میں سُلگتے ہیں
کیوں خواب اترتے ہیں
ملتی نہیں جب اِن کو
تعبیرِ شناسائی

اک اور بھی دن گذرا
اک اور بھی شب کاٹی
پھر پائے شکستہ سے
زنجیرِ طلب کاٹی
شاید کہ یونہی بدلے
تقدیرِ شناسائی

آغازِ محبت سے
اُس لمحہ ء فرقت سے
نامہ نہ سندیسہ ہے
پیغام نہ جھونکا ہے
کیا نیند میں کھینچی تھی
تصویرِ شناسائی

نہیں

ابھی اِس خواب کو چھونا نہیں تم
یہ گہری رات کے اک لمس سے
کجلا چکا ہے
تمہارے ہاتھ کالے ہو نہ جائیں
ابھی آنکھوں میں پچھلی نیند کی پرچھائیں باقی ہے
مری آنکھوں میں اپنی آرزو رکھنا نہیں تم
بہت شفاف ہے یہ
ماند اِس کے سب اُجالے ہو نہ جائیں
تمہارے ہاتھ کالے ہو نہ جائیں

شاعری

شاعری
آپ کی نظروں میں نجانے کیا ہے
اپنی قسمت میں تو یہ
دن کے چمکنے کی طرح
رات کے ہونے کی طرح ہے
گُل کے ہنسنے کی طرح
اوس کے رونے کی طرح ہے
سانس لینے کی طرح
جاگنے سونے کی طرح ہے
اپنے ہی خوں کی حرارت سے بھڑکنے
کی طرح
دل کے دھڑکنے کی طرح ہے
زندہ رہنے کی طرح
جاں سے گزرنے کی طرح ہے

انکار

ہمیں بھی انکار کرنے دیجے
مُہیب انکار
جو لہو میں قدیم آتش فشاں کی صورت بھڑک رہا ہے
جو دل نہیں ہے
مگر جو دل میں دھڑک رہا ہے
ستارہ سا' خواب کے افق پر جو پُرفشاں ہے
جو بیکراں ہے
عجیب انکار
آدمی کو جو آدمیت کی خاک اُڑانے سے روکتا ہے
دیے بجھانے سے روکتا ہے

وہ اپنی ہستی کے ساتھ
ہونے کا اک ارادہ
وہ جبر کے سامنے نہتا
بلند سر اور ایستادہ

اک ایسا انکار
جس سے دنیا کی نعمتوں میں کمی کے باوصف
زندگی، زندگی سی رہتی ہے
درد میں سرخوشی سی رہتی ہے
دل میں اک روشنی سی رہتی ہے

ہم کو بھی اِس گُنہ کی لذت سے
اپنے کام و دَہن کو سرشار کرنے دیجیے
ہمیں بھی یہ زہر پینے دیجیے
ہمیں بھی انکار کرنے دیجیے

ایک جادوئی شام

شام بے ساز تھی
ہم سفر تھا کوئی
سب حواس ایسے خوابیدہ تھے
چار اطراف سے بے خبر تھا کوئی
دل میں بس اُس رفاقت کے لمحے کی
آواز تھی
اور بارش کے رکنے کے کچھ بعد کا وہ دھندلکا
بہت سرمئی لگ رہا تھا
نگاہیں، جو چہرے پہ رہ رہ کے پڑتیں
ٹھہرتیں!
زمیں پر عجب جھلملاتی ہوئی روشنی تھی

افق سے ذرا نیچے ڈھلکا ہوا اک ستارہ
کچھ اتنا چمک دار تھا
مصنوعی لگ رہا تھا
وہ آنکھیں
وہ چہرہ
وہ شام
اور ستارہ
سبھی کچھ تھا اتنا مکمل
کہ بس جادوئی لگ رہا تھا

ہے کہاں تمنا کا دوسرا قدم یا رب

اُٹھا لیا
مجھے تو اُس نے صورتِ گُلِ خزاں
کنارِ فرشِ خاک سے اٹھا لیا
اٹھا لیا، زرِ گلاب کی طرح
نشانہء ہَوا پہ لا کے رکھ دیا
مری نظر کے سامنے
زمین و آسمان
دونوں ایک ساتھ گھوم گھوم کر
سنبھل سنبھل گئے
یہ دل بہک بہک گیا
قدم دھڑک دھڑک گئے
مجھے تو اُس کے اک ذرا سے لمس نے
مرے وجود سے ہِلا کے رکھ دیا

رات زر تار تھی

شبِ تار تھی
پر میں تیری نظر سے چمک دار تھی
جیسے خود فیبئس میری جانب ہو نگراں
بدن گلستاں
روح میں ایک شعلہ فروزاں
یہ دل، دلبرِ دلبراں
جیسے زُہرہ چلی آئے
عشرت گہِ عشق میں ہو کے مہماں
کچھ ایسے تری قربتوں سے میں سرشار تھی
رات خوابیدہ تھی
اور تقدیر بیدار تھی

(اپالو۔ یونانی سورج دیوتا PHOEBUS)

تحفہ

(فاطمہ حسن کے لئے)

تم نے دھوپ کے چمکیلے رنگوں سے سجی اک ڈبیا بھیجی
مگر بتانا بھول گئیں کہ آخر اِس کا مصرف کیا ہے
ویسے تو یہ بہت بڑی ہے
ہلتی ڈولتی رہے گی یہ بیچاری دنیا
اگر میں اِس میں رکھ دوں یہ ننھی منی سی دنیا
اِس کے ساتھ مجھے مجبوراً رکھنے پڑیں گے
سورج چاند اور سات ستارے
لیکن ڈر ہے بے دھیانی کے اک لمحے میں
سب آپس میں ٹکرائیں گے
اور قیامت آجائے گی اِس ڈبیا میں
مجھے بتاؤ آخر میں اس میں کیا رکھوں
کتنی چھوٹی پڑ جاتی ہے
جب میں اس میں رکھنا چاہوں
پورا دل
اور دو آنکھیں
اور ایک ادھورا خواب

تم نہ جاگے

چلو چھوڑو بھی اب خوابوں کی باتیں
جی لیے کافی دنوں تک
زندگی کو بھول کر
مصروفیت سے جی چُرا کر
گوشہ ءِ گمنام میں سو کر

تمھیں تو صبح سے پہلے ہی یہ
خوابوں کا دریا پار کرنا تھا
ہَوا کے دوار اترنا تھا

اُنہیں دیکھو کہ جو کم خواب ہیں
پیچھے سے آئے اور تمہارے پاس سے گزرے
وہ اگلی منزلوں کی دید کی امید سے بیتاب
سورج ڈوبنے کی سرزمیں پر
جاگتے ہیں

آرزو کی فصل بوتے ہیں
تو خود ہی کاٹتے ہیں

اپنی اِن خود ساختہ
خوش فہمیوں کی ٹھنڈی چھاؤں میں
سوتے رہے تم
سنگ ریزوں کی طرح جیتے رہے
اور دوسروں کے پاؤں میں پامال ہی ہوتے رہے تم

دھوپ دیواروں سے پھر ڈھلنے لگی
تم اپنے اِن بیکار خوابوں سے نہ جاگے
اور گراں تابہ گراں پھیلے ہوئے
رنگیں سرابوں سے نہ جاگے
آسماں سے آنے والے سب عذابوں سے
نہ جاگے!

پھر وہی داستاں

قصہ گو آج خاموش تھا
اور گزرتی ہوئی رات آنکھوں میں تھی
شہرِ معتوب سے
ساتویں روز بھی
خیریت کی خبر لے کے
قاصد نہ کوئی بھی آیا
سبھی کی زبانوں پہ مُہریں لگی تھیں
مگر اپنے اپنے اعزا کو
دل میں سبھی رو چکے تھے

چھٹی رات کی داستاں میں
خطا وار انجام سے جا ملے تھے
وہ شہرِ خرابی جلایا گیا تھا
مگر قصہ گو آج خاموش تھا
اور جلتی ہوئی رات آنکھوں میں تھی

آسمان کے نیچے

بیگم صاحب! باہر دھوپ بہت ہی تیز ہے
پیاس لگی ہے، تھوڑا ٹھنڈا پانی دے دو
ساتھ میں روٹی کا ٹکڑا بھی مل جائے تو اچھا ہو گا
بچہ دن بھر سے بھوکا ہے
کمرے میں کتنی ٹھنڈک ہے بیگم صاحب!
کمرہ ٹھنڈا کرنے والی، پانی ٹھنڈا کرنے والی
ساری مشینیں کتنے پیسوں میں آتی ہیں؟
بارش ہو جائے تو گرمی کم ہو جائے
پر بارش کو اللہ ہم سے دور ہی رکھے
جھونپڑپٹی میں رہتے ہیں
بارش ہو تو شہر کا سارا گندہ پانی اُس بستی کی رہ لیتا ہے
ساری ساری رات چھتوں کو ترپالوں سے ڈھکتے

ننگے بچوں پر سے مچھر جھلتے کٹ جاتی ہے
صبح سویرے سارے مردوں عورتوں کو مزدوری پر جانا ہوتا ہے
دیر سے پہنچیں تو مزدوری کب ملتی ہے
اوپر سے یہ "سی ڈے" والے
دو دو سو دھرتی کا بھاڑہ مانگتے ہیں
اور کوئی پوچھے' دھرتی تو اُس رب کی ہے
اور جھونپڑی ہم نے خود ہی تنکا تنکا جوڑ کے ڈالی ہے
پھر کیسا بھاڑہ؟
سنا ہے اپنا بادشہ ایک نیا آیا ہے
پہلا بادشہ جیل میں ہے
پھر بیگم صاحب' آٹا سستا کیوں نہیں ہوتا؟
خیر ہمیں کیا' کوئی آئے' کوئی جائے
ہم نے تو جنگل سے لکڑی چُن کر لاتے
پانی بھرتے' ساری عمر گزارنی ہے
اور بیگم صاحب! اللہ تم کو خوش رکھے
ہم ماں اور بیٹا سارے دن کے بھوکے پیاسے پھرتے تھے
اب پیٹ بھرا ہے' اب جاتے ہیں
باہر دھوپ بہت ہی تیز ہے
رستہ کافی لمبا ہے



عجیب آرزو ہے یہ

عجیب آرزو ہے یہ کہ آشکار بھی نہیں
قرارِ جاں نہیں ہے' دل میں بے قرار بھی نہیں
عجیب آرزو ہے جس پہ اختیار بھی نہیں

عجیب آرزو ہے بزمِ زندگی میں بے نشاں
سدا لہو کے ساتھ یہ رگوں میں بھی رواں دواں
ہمیشہ خواب کی طرح یہ نیند میں بھی سرگراں

یہ آرزو کہ بے خیال و بے نوا و بے سکوں
یہ آرزو کہ کم نگاہ و کم سواد و کم جنوں
یہ پرچمِ شکست کی طرح ہمیشہ سرنگوں



عجب گداز عجب چشمِ نم سے ملتے ہیں
ہم اہلِ درد اگر تیرے غم سے ملتے ہیں

ہیں تیرے معجزے، تعبیر کی کرامتیں بھی
یہ خواب زار بھی تیرے کرم سے ملتے ہیں

سُراغِ منزلِ مقصود کا تو ذکر ہی کیا
کہ راستے بھی ترے دم قدم سے ملتے ہیں

بس ایک ساز کی آفاق میں ہے نغمہ گری
نفَس کے تار اُسی زیر و بم سے ملتے ہیں

وہ ایک نور کہ افلاک میں ہے جلوہ نُما
یہ مہر و ماہ و نجوم اُس کے دم سے ملتے ہیں

زمیں سے جیسے فلک خود اُتر کے ملنے آئے
کچھ ایسے خواب میں سرکار ہم تب سے ملتے ہیں

درود پڑھتے ہیں اور کاروبارِ دنیا میں
اِس آسرے پہ ہم، اہلِ ستم سے ملتے ہیں



پہلوئے گُل میں کوئی خار نہیں بن سکتے
ہم کبھی باعثِ آزار نہیں بن سکتے

بھول جا، اپنی رضا سے ہمیں گر بھولنا ہے
طبعِ نازک پہ تری بار نہیں بن سکتے

خود کو سُلجھانے میں وہ شخص بہت اُلجھا ہے
اِس لیے عقدۂ دشوار نہیں بن سکتے

نیند اچھی ہے مگر خواب بہت پیارے ہیں
ہجر میں دیدۂ بیدار نہیں بن سکتے

راستے اور ہیں اس دل میں مسافر کے لئے
شہر کے کوچہ و بازار نہیں بن سکتے

تجھ سے کچھ بڑھ کے ہمیں تیری خوشی چاہیے ہے
ہم تری راہ کی دیوار نہیں بن سکتے



سفر میں عیشِ شبستاں تمہاری آنکھیں تھیں
مثالِ منزلِ تاباں تمہاری آنکھیں تھیں

ہم اپنی آنکھ اُٹھا کر جہاں کو دیکھتے کیا
کہ زیرِ سایہ ء مژگاں، تمہاری آنکھیں تھیں

سفر تھا ہمسفروں کو نجانے کیا درپیش
ہمارے سامنے جاناں! تمہاری آنکھیں تھیں

پھر ایک روز دلِ منتقم کو چین آیا
پھر ایک روز پریشاں تمہاری آنکھیں تھیں

ہمیں تو خیر ہمیشہ سے ہجر لاحق تھا
نجانے کس لئے گریاں تمہاری آنکھیں تھیں

سنبھل سنبھل کے صبا نے چمن میں پاؤں رکھا
روِش روِش پہ فروزاں تمہاری آنکھیں تھیں

پلٹ کر آتے تو دنیا کو بھول جاتے ہم
ہر ایک درد کا درماں تمہاری آنکھیں تھیں

اب اپنی چشمِ تمنا میں رکھ کے سوچتے ہیں
ہمارے خواب کے شایاں تمہاری آنکھیں تھیں



افسانہ ء غم سُنا چکے ہم
رونا تھا، سو مسکرا چکے ہم

پھر غیر کہا زباں سے تجھ کو
اِس دل کا مذاق اُڑا چکے ہم

جانا ہے تو یاد سے بھی جائیں
یہ شرط ہے، پھر تو جا چکے ہم

ٹھہرے تھے چراغِ آخرِ شب
اب صبح ہے، جھلملا چکے ہم

پتھر تو نہیں، ہم آدمی ہیں
سو بار تجھے بتا چکے ہم

کس طرح ترا سُراغ ملتا
وہ خواب تو اب بُجھا چکے ہم

ہم رنگِ ہَوا تھے اِس نگر میں
ہمراہ ہَوا کے جا چکے ہم



غیروں کی طرح ملو گے تم بھی
دنیا کی طرح کرو گے تم بھی

جب ہجر کا راستہ چُنا ہے
رستے میں کھڑے رہو گے تم بھی

ہم ہی نہیں بے قرار ہوں گے
راتوں کو نہ سو سکو گے تم بھی

محفل میں لگو گے تنہا تنہا
جنگل میں پھرا کرو گے تم بھی

شہروں میں نہ دل لگا سکو گے
صحراؤں میں جا بسو گے تم بھی

لگتے ہیں جو ہم لُٹے لُٹے سے
آباد کہاں رہو گے تم بھی



ہنسی ہنسی میں کہیں اک سوال بھی آیا
بہت نہال دلوں میں ملال بھی آیا

گذر گئی وہ تمنا ذرا دبے پاؤں
ذرا ذرا سا کسی کا خیال بھی آیا

کبھی خزاں کی طلب بھی ہوئی شگفتنِ گُل!
بہارِ زخم کبھی اندمال بھی آیا؟

کبھی جو ذکر چھڑا بھولی بسری چاہتوں کا
ہمارے دھیان میں وہ خوش جمال بھی آیا

نہیں کہ سارے ہی لمحاتِ عشق بوجھل تھے
کوئی کوئی تو صبا کی مثال بھی آیا

کنارِ شام کبھی کیا ٹھٹک گئے تم بھی
بس ایک پَل کو ہمارا خیال بھی آیا

کہ جسم و جاں کو ذرا اور خوش گماں رکھتا
کب آئینے کو بھلا یہ کمال بھی آیا

اُنہیں غروب کا ڈر کیا کہ جو طلوع نہ تھے
جو آفتاب تھے، اُن کو زوال بھی آیا

کوئی سبب ہے کہ دل آپ سے گریزاں ہے
وگرنہ کتنی ہی باتیں یہ ٹال بھی آیا

نہ جی سکیں گے، یہ کہتے تھے زعمِ اُلفت میں
لو اک گزر بھی گیا، اور سال بھی آیا

سفر کا عزم کیا تو ستارے ساتھ چلے
جو رُک گئے تو فلک سے وبال بھی آیا

اُڑا بھی آیا یہ دل، خاک گزرے وقتوں کی
کہیں پہ یاد ذرا سی سنبھال بھی آیا

ہم اپنے آپ سے کچھ دیر کو ٹھہر کے ملے
سوادِ ہجر میں رنگِ وصال بھی آیا



میں خود سے پوچھ رہی تھی کہاں گئے مرے دن
مجھے خبر ہی نہ تھی رائیگاں گئے مرے دن

گئے ہیں وحشتِ صحرا سمیٹنے کے لئے
کہ سوئے بزم و سرِ گلستاں گئے مرے دن

بہت اُداس نہ ہو دل شکستگی پہ مری
مرے حبیب، مرے رازداں! گئے مرے دن

خدا کرے کوئی جوئے مُراد راہ میں ہو
بدوشِ گردِ رہِ کارواں گئے مرے دن

کوئی نگاہ، کوئی دل، نہ کوئی حرفِ سپاس
نہیں تھا کوئی بھی جب پاسباں، گئے مرے دن

بہت سے لوگ گلی کا طواف کرتے تھے
بس اِس قدر ہے مری داستاں، گئے مرے دن



دل غم کے ٹھکانے ہو گئے ہیں
دل آئینہ خانے ہو گئے ہیں

کچھ، ہم کو فشارِ عشق لاحق
کچھ، لوگ دوانے ہو گئے ہیں

وہ خواب، وہ عہد، وہ محبت
پوشیدہ خزانے ہو گئے ہیں

لگتے تھے بہت نئے نویلے
جو خواب پُرانے ہو گئے ہیں

اُلفت کے وہ تجربے غضب تھے
سب جیسے فسانے ہو گئے ہیں

فرقت میں کٹے ہیں چند ہی روز
لگتا ہے زمانے ہو گئے ہیں



ہم رہروانِ شوق کا جادہ وہی رہا
دنیا بدل گئی دلِ سادہ وہی رہا

جو لوگ پاس تھے وہ نظر سے اُتر گئے
جو دُور تھا، قریب زیادہ وہی رہا

سب شہرِ دل کے راستے سنسان ہو گئے
تیرے لیے جو در تھا، کشادہ وہی رہا

ہم کو بہ اہتمام بدل کر ملا سبو
لیکن ہر ایک مرتبہ، بادہ وہی رہا

جب بھی بساطِ عشق بچھی، لوگ لُٹ گئے
بدلے وزیر و شاہ، پیادہ وہی رہا

جو طفلِ خاک تھے وہ رہے خاک پر سدا
اور آسماں پہ آسماں زادہ وہی رہا

کچھ، لوگ بھی اسیرِ فریبِ بہار تھے
کچھ کاروبارِ گلشن، وعدہ وہی رہا

پھر ایک روز اہلِ ستم تھک گئے تمام
اِس ناصبور دل کا ارادہ وہی رہا



کہیں اِس دل کو بہلایا تو ہو گا
ہمیں کھویا تو کچھ پایا تو ہو گا

بہت کالی تھیں وہ فرقت کی راتیں
تمہارا دل بھی گھبرایا تو ہو گا

محبت میں بہت جی کا زیاں ہے
تمہیں لوگوں نے سمجھایا تو ہو گا

کسی کی بھُولی بِسری یاد کو پھر
خود اپنے دل میں دہرایا تو ہو گا

زمیں پر اک ستارہ جاگتا ہے
فلک کو اعتبار آیا تو ہو گا

کہاں ممکن ہے خوشبو کی اسیری
ہَوا نے جال پھیلایا تو ہو گا

گھروں میں لوگ تنہا ہو گئے ہیں
سفر میں ساتھ اک سایا تو ہو گا

نجانے کن گھنی نیندوں میں تھی میں
مرے طالع میں چاند آیا تو ہو گا



دریائے فراموشی پایاب نہیں دیکھا
مدت سے اِن آنکھوں نے اک خواب نہیں دیکھا

تم نے بھی محبت کی، مانا کہ محبت کی
پر اپنی طرح تم کو بیتاب نہیں دیکھا

دشوار ہُوا ملنا اِن دھوپ کے رستوں پر
پھر رات نہیں اتری مہتاب نہیں دیکھا

اِس دل کی طرح آنکھیں اب ہجر کی عادی ہیں
زہراب نہیں چکھا خوناب نہیں دیکھا

تھا موسمِ گُل سارا اُس آنکھ کی مستی سے
پھر گلشنِ ہستی کو شاداب نہیں دیکھا



تم جانے کس دیار میں آباد ہو گئے
جو لوگ پیچھے رہ گئے برباد ہو گئے

مہر و مہ و نجوم چلیں اپنی راہ پر
اہلِ فراق آج سے شب زاد ہو گئے

دل اپنی خواہشوں کا ہمیشہ سے صید تھا
وہ آپ ہی نہیں تھے جو صیاد ہو گئے

ہم کیا‘ ہماری آرزوئے دلبری بھی کیا
بس اک نگاہ دیکھ لیا‘ شاد ہو گئے

اِس بار اُس سے ترکِ وفا کا گلہ نہیں
اِس بار ہم بھی قید سے آزاد ہو گئے

ٹوٹی ہے نیند آسماں ٹوٹا نہیں ابھی
کیوں اہلِ خواب مائلِ فریاد ہو گئے



رہتے ہیں اپنے آپ سے کچھ بے خبر سے ہم
نکلے نہیں ہیں آج بھی اُس کے اثر سے ہم

کیا ہو جو عمر کاٹنی پڑ جائے ہجر میں
گھبرا گئے ہیں ایک شبِ مختصر سے ہم

ہر پَل رہا جب اِس کے بدلنے کا احتمال
کیا اپنی شکل دیکھتے تیری نظر سے ہم

دیکھا تو شاخ شاخ نے پہنی ہوئی تھی دھوپ
امیدِ التفات نہ رکھتے شجر سے ہم

خوشبو سی ہے ہَوا میں، فضا میں لباس میں
لائے ہیں تجھ کو ساتھ ہی کیا تیرے گھر سے ہم

اِس سمت سے وہ راہ بھی ہو کر نہیں گئی
کس کا سراغ مانگتے گردِ سفر سے ہم

وہ شخص زود رنج ہے اور ہم چراغ پا
رہتے ہیں دُور دُور خود اپنے ہی ڈر سے ہم



بزمِ مہر و مہ و انجم میں نشیں ہے کوئی
اِس خرابے سے بہت دُور، کہیں، ہے کوئی

زندگی جیسے بیاباں میں بسر کرتے ہیں
ایسی تنہائی کہ دل میں بھی نہیں ہے کوئی

آنکھ تک ایک عجب موجۂ غم اٹھتا ہے
شام کے ساتھ ہی بے وجہ غمیں ہے کوئی

سخت ویراں ہے بظاہر یہ زبوں خانۂ چشم
کون مانے گا کہ اِس میں بھی مکیں ہے کوئی

شہرِ ناجنس کو کچھ اور بھی مطلوب ہے کیا
یہ بھی کیا کم ہے ابھی خندہ جبیں ہے کوئی

کس کشش میں ہے گرفتار کہ بس محوِ طواف،
دل بھی سورج سے کٹی ایک زمیں ہے کوئی

اب مسافر کو نہ گھر اور نہ منزل، مقصود
راہ میں ایک شبستانِ حسیں ہے کوئی

اب جو اِس خوابِ خوش آثار سے نکلیں تو کھُلے
کوئی دوزخ ہے کہیں، خُلد کہیں ہے کوئی



ہمیں یہ دل جو بہت مبتلا دیئے گئے ہیں
عجیب درد کا اک سلسلہ دیئے گئے ہیں

وہ خامشی ہے کہ لگتا ہے شہر کے سب لوگ
کسی طلسم کدے میں سُلا دیئے گئے ہیں

وہ بے حسی ہے کہ لگتا ہے ساری گلیوں میں
لحد اُکھیڑ کے مُردے چلا دیئے گئے ہیں

خزانے بعد میں لُوٹے گئے، بہت پہلے
کتاب خانے یہاں کے جلا دیئے گئے ہیں

عجب نہیں کہ محلات سر پہ آن گریں
یہ ایک زلزلے ہی سے ہِلا دیئے گئے ہیں

سب آئینوں پہ کوئی وقت گرد ڈال گیا
سو خد و خال ہی اپنے بُھلا دیئے گئے ہیں

کوئی بھی نقش کوئی بھی نگار ایک نہیں
ہمارے خواب کسی سے ہِلا دیئے گئے ہیں



زہرِ غم کام کر گیا شاید
کوئی جاں سے گزر گیا شاید

دل عجب حالتِ قرار میں ہے
زخمِ اُمید بھر گیا شاید

چاند اک ساتھ ساتھ چلتا تھا
رات کے پار اُتر گیا شاید

میری منزل پکارتی تھی مجھے
لوٹ کر وہ بھی گھر گیا شاید

اب جو ہمراہ کوئی چاپ نہیں
آخری 'ہمسفر' 'گیا' شاید

موت کیوں اِس قدر عزیز ہوئی
زیست سے کوئی ڈر گیا شاید



فرق اپنی آرزو میں سرِ مُو نہ آئے گا
دل کو قرار اب کسی پہلو نہ آئے گا

کیا چشمِ نم سے روٹھ گیا ہے ترا جمال
کیا اب یہ ماہتاب لبِ جو نہ آئے گا

تجھ سے ہَوا نژاد کی اب جستجو نہیں
پل بھر کو آ بھی جائے تو قابو نہ آئے گا

کیا سیرِ باغ و راغ ، کہاں لطفِ صد چراغ
جب تُو مثالِ پیکرِ خوشبو نہ آئے گا

یہ آنکھ ٹوٹ جائے گی فرطِ ملال سے،
لیکن ترے خیال سے آنسو نہ آئے گا

وہ رات ہے کہ چاند ستاروں کا ذکر کیا
اب روشنی کے نام پہ جگنو نہ آئے گا

اب کون قیدِ سنگ سے مجھ کو رہائی دے
اب تو کسی نظر کو یہ جادو نہ آئے گا

بجھتی ہوئی یہ رات، یہ دم توڑتے چراغ
دل مانتا نہیں ہے کہ اب تُو نہ آئے گا

میں ایسا پھول ہوں

میں ایسا پھول ہوں
جس نے چمن میں
ڈرتے ڈرتے آنکھ کھولی
تو خزاں کی آمد آمد تھی
خزاں آئی
خزاں ٹھہری
خزاں رخصت ہوئی

اک پھول کی کیا زندگی
کیسی حقیقت
کیا ثبات
صحنِ گلشن میں بہار آئی نہیں
اور اپنی جاں رخصت ہوئی!

تُو شرمسار نہ ہو

تو شرمسار نہ ہو میرے ہم نشیں مجھ سے
تو بے قرار نہ ہو اے مرے شریکِ سفر
تجھے تو علم نہیں ہے مرے ستاروں کا
مگر مجھے ہے مری طالع گیریوں کی خبر

جب اِس زمین پہ پہلا قدم رکھا میں نے
تو میرے برجِ چہارم میں زُحل بیٹھا تھا
بنا کے خانہ ء ہفتم سے دشمنی کی نظر
تھا آسمان پہ نقشہ مری تباہی کا
رکھا تھا کاتبِ تقدیر نے جسے لکھ کر

تو شرمسار نہ ہو میرے ہم نشیں مجھ سے
تو بے قرار نہ ہو اے مرے شریکِ سفر
مرے نصیب میں لکھی نہ تھی تری چاہت
مرے نصیب میں لکھا نہیں تھا کوئی گھر

مگر یہ دل

موت برحق ہے
مرے مالک!
'بلاوا جب بھی آئے
مجھ کو بس لبیک کہنا ہے
کہ جتنی زندگی پائی
ضرورت بھر کو کافی تھی
بہت سے کام پورے ہو گئے
تھوڑے ادھورے ہیں
زمیں ساری نہیں دیکھی
مگر قسمت میں جتنے بھی لکھے تھے
خواب دیکھے ہیں
بہت ہی کم ملے
پر دوست اچھے ہی ملے!
گو دشمنوں کی کچھ فراوانی ہے

لیکن خیر، اُنہیں کے دم سے
کارِ زندگانی ہے
ملے سنگِ ملامت
تو کبھی انعام بھی پایا
بہت شہرت نہیں پائی
مگر اک نام بھی پایا
بنایا آشیانہ
پھر اُسے جلتے ہوئے دیکھا
مگر آغوش میں
غنچوں کو بھی کھلتے ہوئے دیکھا

سو اب اِس زندگی سے
کوئی بھی شکوہ نہیں مجھ کو
ترا فرماں آنے پر
مجالِ سرکشی تو کیا
ذرا تاخیر کا یارا نہیں مجھ کو

مگر مالک!
یہ میرا دل
کہ جو اِس کارزارِ زندگی میں

اک مجاہد کی طرح لڑتا رہا
اک بار دل بن کر دھڑکنا چاہتا ہے
یہ چراغِ آخرِ شب کی طرح
بجھنے سے پہلے
صرف اک پل کو بھڑکنا چاہتا ہے
عمر کا پیاسا ہے
اور اک آتشِ سیّال پینا چاہتا ہے
موت سے پہلے، فقط اک بار
بس ایک بار جینا چاہتا ہے

مُشتری وَتدالسما پر

نہیں یہ صرف بارہ سال کا نہیں ہے
انتظار
پوری عمر کا ہے
مشتری!
ہر ایک شامِ انتظار
ہم نے تیری راہ میں گزار دی
یہ زندگی جو گوشہ ء سیاہ میں گزار دی
کہ چارہ سازی ء دلِ تباہ میں گزار دی
گزر گئی
زمانہ ء خراب سے نباہ میں گزار دی
عظیم مشتری!
نوید ہو

ہمیں نوید ہو
اور اُن تمام کی بھی عید ہو
وہ جن کا وقت غربتوں میں
محنتوں، ہزیمتوں میں کٹ گیا
جو اپنے اپنے دائرے میں
اپنے اپنے بُرج کے اسیر
تیرے منتظر ہیں
اُن کے واسطے،
عروج لے کے آ
اِسی جنم میں آ
کبھی تو اُن کے طالعِ اُداس میں چمک
کبھی وقار لے کے اُن کے خانہء دہم میں آ
یقین بن کے
ہر گماں سے پیشتر طلوع ہو
زوالِ شوق سے
غروبِ جاں سے پیشتر طلوع ہو!

گُم

ہیں روز و شب کے گرفتار
شش جہات میں گم
وہ ہم نہیں
جو ہیں دنیائے بے ثبات میں گم

ہم اپنی آہ کے شعلے سے
خود ہی خاکستر
ہم اپنی راکھ سے پیدا
ہم اپنی ذات میں گم

تعمیر

ابھی اس خاکداں میں قید ہیں ہم
پیکرِ گل میں مقید ہیں
طلسم روز و شب میں
زندگی کے سحر میں ہیں
زندگی، مقسوم کردہ زندگی
مقسوم کردہ عالم بیداری و خوابیدگی
ہم کو اب اپنی نیند ہی سے
کوئی خواب بیکراں تعمیر کرنا ہے
چلو کہ اب ہمیں مقسوم کردہ زندگی کے
قہر سے آگے نکلنا ہے
تمناؤں کے رنگیں شہر سے آگے نکلنا ہے
سوادِ وقت میں ہم کو
کوئی اپنا جہاں تعمیر کرنا ہے
خلا اندر خلا پھیلی سیہ بے مائیگی میں
ایک نیلا آسماں تعمیر کرنا ہے

خود کردہ را چہ علاج

اپنے ہاتھوں لگایا ہوا کیکٹس
جس کی آغوش میں کوئی غنچہ نہیں
جس کی سانسوں میں خوشبو کا جھونکا نہیں
جس جگہ اِس کے پاؤں گڑے ہیں
زمیں پر نہیں کوئی روئیدگی کا نشاں
اِس کے سر پر تنا ہے
فلاکت زدہ آسماں
موسموں سے محبت
اور اپنی جڑوں سے وفا کا کوئی شائبہ تک
نہیں اِس کے کانٹوں بھرے جسم میں
اور ہَوا سے قرابت جتانا
فقط اِس کی مجبوری ہے

اِس کو اپنی نمو کے لئے میرا خوں چاہیے
اور اپنی نمائش کی خاطر مری خواب آنکھیں
اور اپنی ادھوری سی پہچان کے واسطے
نام میرا

یہ اپنے ہی ہاتھوں لگایا ہوا کیکٹس
جس کے شاخیں مرے دل کو چھونے لگی ہیں

درخت

راستے کے کنارے پہ
چھدرے درخت
اپنے بازو
ہَوا میں اٹھائے کھڑے ہیں
یہ ساکت ہیں
خاموش ہیں
آسماں کی طرف دیکھتے ہیں

یہ جنگل ہے
یا شہر والوں کے دستور پر
اب عناصر بھی انگلی اٹھانے لگے ہیں

پردے ابھی مت ہٹاؤ

دریچے سے پردے
ابھی مت ہٹاؤ
بھڑکتی ہوئی روشنی
ایک کوڑے کے مانند آنکھوں پہ پڑتی ہے
آنکھیں
اندھیروں کی عادی ہیں
آنکھیں اندھیروں میں آسودہ رہتی ہیں
کِھلتے ہوئے دیکھتی ہیں
وہ خوابوں کے باغات
جن کی نمو
روشنی میں تو ممکن نہیں ہے

اندھیروں میں تابندہ ہوتے ہیں
سب معجزے
سب کرامات

پردے ابھی مت ہٹاؤ
چمکتی ہوئی دھوپ
شیشے کے باریک ذرّوں کی صورت
ان آنکھوں میں چُبھنے لگے گی
چلی آئے گی روشنی کے پَروں پہ
یہ دنیا
یہ دنیا------ اور اس کی خرافات
اور لُوٹ لے گی وہ خوابوں کے باغات
اور ٹوٹ جائیں گے سارے طلسمات
اور روٹھ جائیں گے
سب معجزے
سب کرامات

خموشی

ابھی کچھ دیر پہلے آسماں کے زرد زینے پر رُکی تھی
اور ابھی سرما کی کالی شام کی انگلی پکڑ کر چل رہی تھی
پھر ذرا سی دیر میں گہرے گھنے پیڑوں کی شاخوں پر اُتر آئی
بہت ہی سرخ پتوں پر، بہت ہلکے قدم رکھتی ہوئی
بڑھتی چلی آئی
خموشی
میرے دل کے راستوں سے جانے کب گزری

ہم تو بس اک خوابنائے سے گزر کر آئے ہیں

ہم ابھی اک خوابنائے سے گزر کر آئے ہیں
ایک مدت سے لپک سی دل میں رہتی تھی
سفر پر جائیں گے ہم
اپنی آنکھوں میں سجا لائیں گے ہم
تصویر نادیدہ دیاروں کی
انوکھے مرغزاروں کی
بہت ہی اجنبی سے آسماں پر جگمگاتے
جانے پہچانے ستاروں کی
بہت ہی دور سے ہو آئیں گے
اور آ کے دیکھیں گے یہ پیاری صورتیں
اپنے دُلاروں کی

سو ہم نے باندھ لی اک دشتِ نامعلوم کی
لمبی مسافت پاؤں میں ،
سارے بدن میں سنسناہٹ سی
کئی ناآفریدہ سرزمینوں کی طلب کی ،
آنکھ میں اک منزلِ موہوم کی
امید کی وحشت لیے نکلے
تو ہو آئے
زمانوں سے زمانوں تک
حقیقت سے فسانوں تک

اور اب جو لوٹ کر آئے تو ہم کیا دیکھتے ہیں
راستے ویران
گھر کے سب در و دیوار ہیں بدلے ہوئے
اِس آسماں پر بجھ چکیں شمعیں ستاروں کی
بہت ہی اجنبی آنکھیں ہوئیں ساری
وہ پیاری صورتیں پہچان سے عاری
ہمارے سب دُلاروں کی

تو کیا ہم نے بہت ہی دیر کر دی لوٹ آنے میں
تو کیا ہم زندگانی راستے ہی میں بسر کر آئے ہیں

حیرت

ہم سے اچھا کون تم کو مل گیا
خواب ہیں جس کے نگاہوں میں سجے
اجنبی سے رنگ چہرے پر کھلے
بزم میں رہتی ہے جس کی جستجو
فون پر ہوتی ہے جس سے گفتگو
شام کو جس سے مِلا کرتے ہو روز
دُھن میں جس کی اب رہا کرتے ہو روز
ہم سے ملنے کی تمہیں فرصت نہیں
شوقِ وصل و شکوۂ فرقت نہیں
لطف کیوں دیتا نہیں یہ ساتھ اب
جھوٹ کیوں لگنے لگی ہر بات اب
ہم سے سچا کون تم کو مل گیا

کہیں کچھ کھو گیا ہے

ہَوا کا ایک جھونکا
کوئی بادل کا ٹکڑا
کرن اک چاندنی کی
کوئی ننھا ستارہ
پرانی یاد کوئی
کوئی لمحہ خوشی کا

تمہارے روٹھنے سے
مجھے لگتا ہے ایسا
کہ جیون ڈور کا اک
سِرا گُم ہو گیا ہے
کہیں کچھ کھو گیا ہے

عمروں کے دُکھ

محبت، آدمی کو
ایک لمحے کی خوشی دیتی ہے
اور پھر مدتوں کے وسوسے
عمروں کے دکھ!
سچ تو یہ ہے ایک لمحے کی خوشی دیکھی
مگر اب وسوسے اِس دل کی مٹی کو
ہمیشہ سانپ بن کر چاٹتے ہیں

تم کسی سے فون پر جب بات کرتے ہو
اگر اُس گفتگو کے درمیاں
آواز تھوڑی سی بھی مدہم ہو
تو میری سب حِسیں مل کر

سماعت میں بدل جاتی ہیں
بھولے سے تمہارے لب پر آنے والے ہر اک نام میں
میں کھوجتی رہتی ہوں حتمی نام
اور مصروف رہتی ہوں ہمہ تن
بس اِسی اک کام میں

اب وسوسوں سے لڑتے لڑتے تھک چکی ہوں
اور ثابت ہونے والی ہوں
بہت آساں شکار
عمروں کے غم کے واسطے!

بساط

چلو اِن دل زدوں سے پوچھتے ہیں

یہ کس امید کے رستے پہ چلتے چلتے تھک کر گِر پڑے ہیں
یہ کیسی آگ ہے اہلِ جہنم کی طرح جس میں یہ گردن تک گڑے ہیں
ہیں کیسی بے اُجالا اِن کی راتیں اِن کے دن کیسے کڑے ہیں
یہ اپنے ہجر میں صادق ہیں کتنے' عشق میں کتنے بڑے ہیں
چلو ا عاشقوں سے پوچھتے ہیں

لیلائے وصل

اک دشتِ ہجر دُور تلک ہے بچھا ہوا
سورج دہک رہا ہے، ستارے بجھے ہوئے
آنکھوں میں انتظار کے منظر جلے ہوئے
کب سے پکارتا ہے یہ دل، اب تو آ بھی جا
لیلائے وصل آ
لیلائے وصل! اپنے نفَس کی سیہ قبا
اِس دھوپ سے دہکتے ہوئے تن پہ ڈال دے
لیلائے وصل! خواب بچھا، دشت دشت میں
اور سارے راستوں کو ستاروں سے ڈھانپ دے
لیلائے وصل! دشت میں گلزار اک کِھلا
لیلائے وصل آ

لیلائے وصل دُور سے کرتی ہے اک نظر
کہتی ہے ناز سے:
یہ کون ہے کہ جس کے لبوں پر دُہائی ہے
ہر چند وضع عاشقوں جیسی بنائی ہے
گو جسم زخم زخم ہے، چھالے ہیں پاؤں میں
لگتا ہے سر سے پاؤں تلک بے نواؤں میں
سارا وجود سخت مسافت سے گرد ہے
لاریب زہرِ عشق سے یہ رنگ زرد ہے
حد درجہ بے قرار و حزیں ہے تمہارا دل
لیکن ہمارا قیس نہیں ہے تمہارا دل!



کسی کے حلقہء اُمید سے نکلتے ہی
اُڑان میں ہے نظر اپنی راہ چلتے ہی

مسافتِ شبِ ہجراں ہمیں بھی ہے درپیش
سو ہم بھی نیند تک آئیں گے چاند ڈھلتے ہی

گذر رہے ہیں بہت قافلے چراغوں کے
مگر وہ روشنی آئے گی دل کے جلتے ہی

مِرے تو ایک ہی منزل میں گر گئے پاؤں
سُبک خرام ہے وہ، راستہ بدلتے ہی

تمہیں تو جانبِ دنیا پلٹ کے جانا تھا
ہمیں بھی آنا ہے دل کے ذرا سنبھلتے ہی



فریبِ صبح و شبِ کم گُماں سے اٹھتا ہے
اب عشق کوچہء سود و زیاں سے اٹھتا ہے

یہ دل تو اٹھ ہی گیا تھا نمودِ دنیا سے
اب اعتبار بھی تیرے جہاں سے اٹھتا ہے

چلا ہے منزلِ بے سمت کی طرف شاید
کہ نالہ سا جرَسِ کارواں سے اٹھتا ہے

نہیں کہ صرف چمن ہو گیا خزاں آباد،
غمِ بہار بھی اب گلستاں سے اٹھتا ہے

یہ رخشِ مہر پہ آتا ہے کون شاہ سوار
غبارِ صبح کو اک آسماں سے اٹھتا ہے

وہ اپنی آگ اُٹھا لائیں اور ہم اپنی خاک
یہ دیکھتے ہیں کہ شعلہ کہاں سے اٹھتا ہے

ضمیرِ بزم پہ بے حد گراں تھا جس کا سکوت
نوید ہو کہ وہ اب درمیاں سے اٹھتا ہے



کم انتہائے شوق سے آگے چلے تو کیا
ہم خاک تھے، سو خاک بسر ہی ملے تو کیا

شامِ فراق! اب وہ مسافر نہ آئے گا
کوئی چراغ گُل ہو کوئی دل جلے تو کیا

اب اگلی بستیوں میں پڑاؤ کریں گے خواب
اِس دشت سے گزر بھی گئے قافلے تو کیا

کیا اختیار زندگیء مستعار پر
ڈھلتا ہے آفتاب بھی، ہم بھی ڈھلے تو کیا

جب فرصتِ نظر ہی نہیں اے بہارِ نو!
کیا شاخِ گُل کو آگ لگے، گُل کھِلے تو کیا

وہ خود پسند ہے تو بہت خود نِگر ہیں ہم
حرفِ سوال بھی نہیں اُس سے، گِلے تو کیا

پھر ایک روز سارا سفر ہی تمام تھا
چھالے زباں پہ، دل پہ پڑے آبلے تو کیا



آنکھ میں پھیل گئیں وسعتیں صحراؤں کی
دل سے طے کی ہے مسافت کہ جو تھی پاؤں کی

گھُٹ کے مر جائیں اگر ایک ٹھکانے پہ رہیں
طبع ہوتی ہے عجب بادیہ پیماؤں کی

دل میں جس طرح کوئی باغ کھِلا رہتا تھا
ہم نے دیکھی ہے بہار اپنی تمناؤں کی

کس پہ اِس عالمِ غربت میں بھروسا کیجے
آنکھ بدلی ہوئی دیکھی ہے شناساؤں کی

کس زمیں کے لئے بارش ہے تری ابرِ بہار،
کس مسافر پہ عنایت ہے تری چھاؤں کی

دل کو منظور نہیں عقل کی بالا دستی
عشق سنتا نہیں منطق کوئی داناؤں کی

سرکشیدہ ہی رہے کار گہِ دنیا میں
ہم نے مرضی نہیں پوچھی کبھی آقاؤں کی



رَہ گُزر میں نہ گھر میں رہتا ہے
دل کسی کے اثر میں رہتا ہے

کیوں مری آنکھ تک نہیں آتا
کس کفِ خواب گر میں رہتا ہے

چشمِ شب میں ستارۂ سَحری
انتظارِ سَحر میں رہتا ہے

دل کی گہرائیوں سے پلکوں تک
ایک آنسو سفر میں رہتا ہے

ایک لمبی اُڑان کا ہَوکا
دل میں یا بال و پر میں رہتا ہے

پھول کیسے بجھے گا' شام تلک
ایک سورج نظر میں رہتا ہے

یہ ازل سے ابد پہ پھیلا عشق
قصہ ء مختصر میں رہتا ہے



(کشمیر)

کیوں بُجھ گئے چراغ کہیں روشنی نہیں
وادی میں آج شام ہَوا بھی چلی نہیں

رکھا ہے ایک خواب بھی دریائے خوں کے پار
اور ایک یاد' جو ہمیں بھُولی کبھی نہیں

کیا آسمان ٹوٹ کے شہروں پہ گر گیا
پتھر ہیں گرد و پیش کوئی آدمی نہیں

پھیلا ہوا ہے سامنے اک رُو سیاہ دن
محسوس ہو رہا ہے ابھی شب گئی نہیں

جس کو بھی دیکھئے وہ بنا ظلم کا حلیف
صحرا میں کوئی خیمہ گہِ دوستی نہیں

باقی نہیں رہا ہے اگر کچھ خدا کا خوف
کیا ان بُتوں کو شرم بھی تاریخ کی نہیں

ہم مانگتے ہیں عالمِ انسانیت کا امن
اندیشہ ء متاعِ دل و جاں کوئی نہیں

آنکھوں میں جاگتی ہے ابھی منزلِ مُراد
اِن راستوں پہ ساتھ اگر زندگی نہیں



رو لیجئے کہ پھر کوئی غم خوار ہو نہ ہو
اِن آنسوؤں کا اور خریدار ہو نہ ہو

کچھ روز میں یہ زخم چراغوں سے جل بجھیں
کچھ روز میں یہ گرمئی بازار ہو نہ ہو

عُجلت بہت ہے آپ کو جانے کی' جایئے
لَوٹیں تو پھر یہ عشق کا آزار ہو نہ ہو

سو جائے تھک کے پچھلے پہر چشمِ انتظار
اور کیا خبر کہ بعد میں بیدار ہو نہ ہو

دل کو بہت غرورِ کشیدہ سری بھی ہے!
پھر سامنے یہ سنگِ درِ یار ہو نہ ہو

اچھا ہُوا کہ آج بچا لی متاعِ خواب
پھر جانے ایسی جراتِ انکار ہو نہ ہو



راہوں میں اُس کی پھول ہمیشہ کِھلے رہیں
قسمت میں اپنی گوشہ ء گلزار ہو نہ ہو

وہ قصر اور اُس کے کلَس جاوداں رہیں
ہم کو نصیب سایہ ء دیوار ہو نہ ہو

جب ہر روِش پہ حسنِ گُل و یاسمن ملے
پھر گلستاں میں نرگسِ بیمار ہو نہ ہو



ایک اک زخم رکھا ہے سرِ دنیا، دل کا
آخرش دیکھ لیا تم نے تماشا دل کا

ہربُنِ مو پہ ہے طاری رگِ جاں میں جاری
عشق کو ہم نے فقط کھیل ہی سمجھا دل کا

رسمِ دنیا ہی سہی حال تو پوچھا اُس نے
یہ بھی کیا کم ہے کہ پندار نہ ٹوٹا دل کا

بے وفائی پہ تری جاں سے گزر جانا تھا
اب جو جیتے ہیں تو قائم ہے بھروسا دل کا

ہم بھی پتھر کے زمانے میں لیے پھرتے ہیں
آئینے خواب کے، کانچ آنکھ کے، شیشہ دل کا

جو بھی آئے اِسے تاراج ہی کر کے جائے
اب نہ آباد ہوا شہرِ تمنا دل کا

ہم گنہ گار نہیں دامنِ یوسف کی قسم
جب سے فرمان بجا لائی زلیخا دل کا



جب سے نہیں انتظار میں ہم
رہتے ہیں بہت قرار میں ہم

سوئے تو خزاں میں بھی کہاں تھے
بے خواب ہوئے بہار میں ہم

ہو دُور بھی گر وہ چشمِ پرکار
گھومیں گے اُسی حصار میں ہم

اک عشق کی قید میں یہ دل ہے
اک شخص کے اختیار میں ہم

سورج کی کرن کرن میں تُو ہے
اک قطرۂ تاب دار میں ہم

ہے لذتِ تشنگی سلامت
بھیگے ہیں اِسی خمار میں ہم



اُس کی پہچان تو کچھ شب کی سیاہی سے ہوئی
معتبر روشنی، خود اپنی گواہی سے ہوئی

کچھ نہ تھا معرکہ ء زیست میں اِس دل کے سوا
اور مری جیت فقط ایک سپاہی سے ہوئی

یوں تو اِس خوں میں بھی کچھ خواہشِ آتش تھی بہت
کچھ فزوں اور تری گرم نگاہی سے ہوئی

جبکہ لاکھوں کو میّسر نہیں پیراہنِ خاک
حیف، نفرت نہ تمہیں خلعتِ شاہی سے ہوئی

اپنے ملبے پہ اٹھائی ہے عمارت ہم نے
کیسی تعمیر ہے اور کیسی تباہی سے ہوئی



نجانے کس کے اثر میں بہت دنوں سے ہوں
عجب فریبِ نظر میں بہت دنوں سے ہوں

مسافرت میں زمیں ہے تو گردشوں میں فلک
میں صرف زعمِ سفر میں بہت دنوں سے ہوں

کب آئے اور یہ خیمے اُڑا کے لے جائے
ہوائے یاد کے ڈر میں بہت دنوں سے ہوں

کسی بھی پَل جسے جنگل کی آگ ہونا ہے
اُسی ہجومِ شرر میں بہت دنوں سے ہوں

عجب ہے کیا جو زمیں پر یہ پاؤں جمتے نہیں
میں آسماں کی نظر میں بہت دنوں سے ہوں

یہ جانتی ہوں کہ حتمی اسی کا فیصلہ ہے
تو کیوں اگر میں، مگر میں، بہت دنوں سے ہوں

پھر ایک رات چلی آئے ایک رات کے بعد
میں انتظارِ سَحر میں بہت دنوں سے ہوں



سکوتِ لب سے کبھی چشمِ نم سے ملتے ہیں
مثالِ آئینہ جب آپ ہم سے ملتے ہیں

غمِ جہان و غمِ جاں کی سمت کیا جاتے
یہ سلسلے بھی ترے پیچ و خم سے ملتے ہیں

ہے شوقِ سجدہ نمائی بہت، سو لوگ یہاں
کبھی خدا سے کبھی اُس صنم سے ملتے ہیں

زیاں و سُود برابر ہے اُس کے کوچے میں
سو ہم بھی فرصتِ ہربیش و کم سے ملتے ہیں

ہر ایک موڑ پہ ہوتا ہے زندگی کا گماں
ہر ایک موڑ پہ ہم اُس کے غم سے ملتے ہیں

(نذرِ اقبالؒ)

رات جوان ہو گئی پرتوِ ماہتاب سے
موجِ ہَوا کے ساتھ ساتھ کِھلنے لگے گلاب سے

عشق میں جیسے زندگی کوئی فسانہ بن گئی
عام سے واقعات بھی ہو گئے خواب خواب سے

ہم نے تو ریگِ ہجر پر، پا لئے نقشِ پائے یار
ہم نے تو راستہ لیا دشت میں اک سراب سے

لب پہ نہ آ سکی اگر شدتِ دل تو کیا ہوا
آنکھ تو خون ہو گئی سوزشِ اضطراب سے

تُو شبِ پر فشاں کبھی ہم پہ جو ہوتی مہرباں
چین کی نیند مانگتے ایک قدیم خواب سے

اب تو وہ سخت جاں بھی ہیں سوختہ دل کہ جو یہاں
بچ کے چلے نہ تھے کبھی حدتِ آفتاب سے

حیرتِ زندگی سے ہے، حیرتِ آئینہ اگر
کس کو خبر کہ آنکھ میں نور ہے کس کی تاب سے

عشق کی اپنی آن ہے فقر کی اپنی شان ہے
فرق ہے ان کا ذائقہ، لذتِ نان و آب سے

حرف میں میرے کر ظہور اے مری آتشِ نہاں!
"طبعِ زمانہ تازہ کر جلوۂ بے حجاب سے"



ہمیں بھی انتہا کرنی پڑے گی
جفا جُو سے جفا کرنی پڑے گی

یہاں رسوائی ہے شہرت کی قیمت
یہ قیمت تو ادا کرنی پڑے گی

کسی کی نذر، سوزِ عشق جیسی
متاعِ بے بہا کرنی پڑے گی

کسی گُل کی خوشی پر صَرف ساری
بہارِ جاں فزا کرنی پڑے گی

جسے جی کر دکھانا چاہتے تھے
اُسی سے التجا کرنی پڑے گی

نمودِ خواب سے پہلے نظر کو
بہت حمد و ثنا کرنی پڑے گی



جب مسافر آ کے اُترے قربِ شہرِ یار میں
قمقمے جلنے لگے تھے کوچہ و بازار میں

صورتِ تصویرِ اہلِ خواب رہتے ہیں یہاں
بس کبھی دیوار کے اوپر، کبھی دیوار میں

اک سنہری پھول میری نیند میں کِھلنے لگا
اُس نے کوئی بات کی تھی لمحہ ء بیدار میں

کرچیاں چُنتی ہوں اب ٹوٹے ہوئے پندار کی،
رنج یہ بھی بڑھ گیا ہے عشق کے آزار میں

اُس نے روتی آنکھ کا منظر کبھی دیکھا نہیں
حوصلہ مجھ سے بھی کچھ کم ہے مرے غم خوار میں

دل کو رہتا ہے اُدھر سے ہو کے جانے کا خیال
رہ رہے ہیں رہنے والے کوچہ ء دلدار میں

نبض کی رفتار یوں معمول پر آنے لگی
جیسے جینے کا اشارہ تھا ترے اقرار میں

پاؤں میں اک میخ بن کر وہ محبت گڑ گئی
اور ہم بے خود تھے کیسے نشہ ء انکار میں



شبِ ہجر نے مرے دل کو جب سرِ رہ چراغ بنا دیا
تو ہوائے تُند کی موج کو ہی ترا سُراغ بنا دیا

تری آرزو نے دِکھا دیا کبھی بحر سینہ ء دشت پر
کبھی دُور حدِ نگاہ تک کوئی سبز باغ بنا دیا

مجھے آئینے نے بتا دیا کہ کمی نہیں ہے جمال میں
کسی کم نگاہ کے عشق نے مجھے داغ داغ بنا دیا

یہی رہ گزارِ حیات تھی کہ نہیں تھا منظرِ خوش کوئی
تری جستجو نے قدم قدم اسے باغ و راغ بنا دیا

کوئی دُھند تھی کہ جمی ہوئی تھی زمیں سے لے کے فلک تلک
وہ جو ایک اخترِ صبح تھا اسے بے سراغ بنا دیا

کبھی پی نہیں ہے مگر یونہی کسی پینے والے کی یاد میں
کبھی درد مے میں بدل دیا کبھی دل ایاغ بنا دیا

نہیں اُس سے کوئی بھی اب گلہ، ہے بنانے والے کا فیصلہ
کوئی شب نژاد بنا دیا، کوئی شب چراغ بنا دیا

یہ عجیب بات سہی مگر یہ تو وقت وقت کی بات ہے
وہ جو دل پہ ہالہ ء نور تھا اسے دل کا داغ بنا دیا،

نہ وہ رنگ و بو، نہ وہ ہاؤ ہو، نہ وہ محفلیں، نہ وہ صحبتیں
کئی روز سے تری یاد نے مجھے کم فراغ بنا دیا



تری بزمِ رنگ و جمال سے چلے آئے ہیں
بڑی دُور ماضی و حال سے چلے آئے ہیں

تری زندگی سے نکل گئے تھے کبھی کے ہم
مگر اب تو خواب و خیال سے چلے آئے ہیں

وہ جو لوَٹ کر کسی آئینے پہ ہو منعکس
اُسی روشنی کی مثال سے چلے آئے ہیں

کوئی یاد دامنِ دل کو کھینچتی رہتی تھی
کسی دوستی کے خیال سے چلے آئے ہیں

ہے نماز کی، مگر عشق کی نہیں ہے قضا
سو بہت ہی قبل زوال سے، چلے آئے ہیں

کہیں اپنی ذات میں گوشہ گیر رہیں گے اب،
یہ فقیر شہرِ جمال سے چلے آئے ہیں



فشارِ چشم و سویدائے دل نہیں ہوتی
مگر وہ یاد کبھی مُندمل نہیں ہوتی

خوشی کے بعد اُداسی، سحر کے بعد ہے شام
سو اپنی حالتِ دل ، مستقل نہیں ہوتی

ہے خواب میں وہ عجب قوتِ نمو کہ کبھی
رہینِ آتش و باد، آب و گِل نہیں ہوتی

کچھ احتمال اگر صبحِ دید کا ہوتا
شبِ فراق بہت جاں گُسل نہیں ہوتی

تو کیا وہ راحتِ جاں عشق، اب نباہ بنا
وگرنہ دل پہ یہ پتھر کی سِل نہیں ہوتی

کبھی نفس میں کبھی سانس میں بھڑکتی ہے
یہ آگ خون میں کیوں منتقل نہیں ہوتی

اب ایک کُنجِ قناعت میں دل کو لے چلیے
کہ اُس مقام پہ دنیا مخل نہیں ہوتی

ایک کنول

ایک اکیلا گھر ہے اُس کے پیچھے پائیں باغ
باغ کے بیچوں بیچ ہے نیلے پانی کا تالاب
چاروں سمت مہکتے جائیں گہرے سرخ گلاب
اک جانب خاموش کھڑا، تالاب میں زرد کنول
زرد کنول اور اُس کے دل میں تنہائی کا داغ

وہ خیال تھا کہ ملال تھا

تری سمت جب میں روانہ تھی
تو نوائے شوق بہانہ تھی
مرے دل میں ایک خیال تھا
مرے دل میں کوئی ملال تھا

وہ خیال میری وفا پہ میرا یقین تھا
وہ خیال تیری وفا پہ میرا یقین تھا

کسی دشتِ ہجر کی راہ میں
شبِ زرد، روزِ سیاہ میں
وہ خیال آنکھ سے گر گیا

یہ ملال، میری وفا کی تجھ کو خبر نہیں
یہ ملال، تیری جفا پہ تیری نظر نہیں
شبِ زرد، روزِ سیاہ میں
کسی دشتِ ہجر کی راہ میں
یہ ملال آنکھ سے گِر گیا
کہ نوائے شوق بہانہ تھی
تری سمت جب میں روانہ تھی

خزاں

پوہ کے مہینے میں
خواب ہو گئے پاگل
شہر کے کناروں پر
جُھک گیا سیہ بادل
بھیگتے ہوئے رستے
ہو رہی سی اک جل تھل
زرد ہو گئیں دھوپیں
سرخ ہو گیا جنگل
آنکھ بے طرح پُر نم
دل عجب طرح بوجھل
یاد جیسی کوئی بات
ہجر جیسا کوئی پَل

یاس

کسی کو کب ہے زندگی پہ اختیار
روز و شب کا' ساعتوں کا
حسرتوں کا کچھ شمار

بے قراری ءِ نفَس پہ
جاں گدازی ءِ وفا پہ
چارہ سازی ءِ بدن پہ
کوئی کب سے شرمسار

کس طرح کرے گا کوئی
خوابِ خوش پہ اعتبار

کس طرح کرے کوئی
خزاں رسیدہ باغ میں
کسی نہالِ سبز کا اب انتظار

بال بکھرائے ہوئے رات چلی آتی ہے

بال بِکھرائے ہوئے رات چلی آتی ہے
دل میں بُھولی ہوئی اک بات چلی آتی ہے
قریہ ءِ ہجر میں پھیلی ہے عجب خاموشی
نیند آنکھوں میں نہیں
خواب نگاہوں میں نہیں
آسماں دُور تلک ایک گذر گاہِ خیال
دل کے اطراف میں پھیلا ہوا بس ایک ملال

آنکھ سے دُور ابھی کوچہ ءِ جانانہ نہیں
قصہ ءِ وصل پرانا نہیں' افسانہ نہیں

گیسوئے شب میں ہُوا کرتی تھی کیسی نکہت
وہ دلآویز مسافت
وہ ترے قرب کی راحت
کس طرح چشمِ زدن ہی میں ہوئی خواب و خیال
دل کے اطراف میں پھیلا ہوا بس ایک ملال

قریہ ء خواب پہ چھائی ہے عجب تاریکی
بال بکھرائے ہوئے رات چلی آتی ہے
ساتھ، بھولی ہوئی اک بات چلی آتی ہے

مجھے سمجھا پہاڑوں پر برستی بارشوں میں کوئی بارش
پتھروں پر اگلے پَل میں جس کو بہہ جانا تھا
یا پھر آسماں سے ٹوٹتا کوئی ستارہ
جو خلا میں ڈوب جاتا

اور اب پانی پہ ٹھہرا عکس مجھ سے پوچھتا ہے:
کیا ہوئے وہ ہاتھ جو اِس زندگی کی آرزو تھے
وہ چراغ آنکھیں جو رستوں پر منور تھیں
وہ دونوں ہونٹ
جو اِن چھاتیوں کے بیچ مہکے تھے"

محبت پھول تو ہرگز نہیں تھی
پھر خزاں سے قبل کیوں مُرجھا گئی ،
اک بھول تو ہرگز نہیں تھی یہ محبت
کس لیے پھر تھک گئی میں
پیچھا کرتے کرتے اک ہلکی خوشی کا
زندگی کی راہداری میں

جفا

ایک قاتل درد میں لپٹے ہیں
سارے رات دن
دن اور رات

رات دن، دن رات
اک وحشی تسلسل سے
اِسی تکلیف میں کٹتے ہیں

ناممکن نظر آتی ہے
باقی زندگی میں
اب تو اِس دُکھ سے نجات

معبد

مرا دل شاخ پر سوکھا ہوا پتا نہیں تھا
جو ہوائے ہجر کے بس ایک جھونکے سے
بکھر جاتا
مرا دل راکھ کی چٹکی نہیں تھا
تم ہتھیلی پر بہت ہلکی سی بس اک پھونک سے
جس کو اُڑا دیتے
مرا دل راستے کا سنگ پارہ تو نہیں تھا
جو تمہارے پاؤں کی ٹھوکر میں رہتا
میرا دل مہماں سرائے بھی نہیں تھا
جس میں تم مہمان بن کر
آ اُترتے

اور نئی منزل کی خاطر
اِس کو ویراں چھوڑ جاتے

میرا دل تو ایک معبد تھا
جہاں تم کو بہت سے کوس
ننگے پاؤں سے چل کر پہنچنا تھا
پُرانے طاقچوں پر
اک چراغِ غم جلانا تھا
الوہی خواب میں ڈوبی ہوئی آنکھوں سے
اک فرقت زدہ آنسو بہانا تھا
بہت نخوت سے شانوں پر اُٹھا' یہ سر
جُھکانا تھا

مرا دل ایک معبد تھا
اگر آنا تھا تم کو
ترکِ ہستی
ترکِ دنیا کر کے آنا تھا

پُتلی تماشا

(پروین شاکر کے لئے)

بعد از رخصتِ فیضؔ تم سخت حیرت میں تھیں
آج شہرِ سخن کی فضا دیکھ پاؤ
تو پلکیں جھپکنا تو کیا سانس لینا بھی تم بھول جاؤ
کہ اتنے بہت سال گزرے
تمہاری خلافت کا جھگڑا نہیں طے ہوا ہے' اگرچہ
تہہِ خاک تم کو فقط دوسرا روز تھا
جب تمہاری ہی پروردہ اک شاعرہ نے' بصد ناز فرمان جاری کیا
کہ تمہارے جمیل و حسیں جسم کی موت سے
جو خلا انجمن میں نمایاں ہُوا ہے
وہ اپنے جمال و ادا سے اُسے پُر کرے گی ،

بہت جلد کچھ دُور کے اقربا' مسندِ جانشینی پہ قابض ہوئے
اور اب تو یہ عالم ہے' اقلیمِ شعری میں

کوئی حسینہ تو بوٹا سی قامت
کوئی اور، بالوں کی ہلکی شباہت
کوئی نازنیں سحر انگیز آواز
کوئی فقط چشمِ آہو کے بل پر
تمہاری مکمل وراثت کی حق دار ہونے کو ہے ،

بعض نوخیز، نو آمدہ، اپنی آنکھوں میں ہلکی گلابی
تو ہونٹوں پہ گہری عنابی لیے
سخت مسکارا آلود پلکیں جھپکتی نظر آتی ہیں
کچھ، گھنے گیسوؤں میں سیہ رات اور پھول گوندھے ہوئے
بس یونہی بے ارادہ، اِدھر سے اُدھر آتی اور جاتی ہیں
ٹین ایجر تو کیا، کھائی کھیلی ہوئی عورتیں بھی
محبت کے معصوم و محزوں تجربات کرنے کو بے تاب ہیں
تتلیوں اور پھولوں کی شامت ہے
وہ کھینچا تانی ہے، خوشبو مصیبت میں ہے
اور دو چار چڑیاں پکڑنے کی خاطر کئی جال پھیلے ہوئے ہیں ،

بہت سوں کو تم سے، صحافت میں ذاتی مراسم، وزیروں سفیروں سے پی آر
اور ریڈیو ٹیلی ویژن کے دل تک رسائی کی حد تک سہی
دعوئ ء ہمسری ہے ،

تماشا گہِ شاعری ہے

کہ پُتلی تماشے کا سیٹ
نَو بہ نَو کاری گر، اپنی نَو ساختہ لُعبتوں کو
تمہارے "گٹ اپ" میں لیے گھومتے ہیں
بہت سی تو دیسی ہیں، لیکن کئی یورپ امریکہ سے بھی در آمد شدہ ہیں ،
عجب بزم آرائی ہے
اِس قدر بے خودی چھائی ہے
جو تمہاری گلی کے مسافر تھے، اب اُن میں اکثر
وہاں باریابی کی خواہش سے ہلکان ہیں
کچھ بخارِ صدارت میں ہی مبتلا پائے جاتے ہیں
تاکہ کسی بھی طرح کندۂ ناتراش و مسِ خام کو
اپنا ممنونِ احسان ہی کر سکیں
شاید اس شامِ مدحت سرائی کے بدلے
کسی شامِ تنہائی کا، کوئی پیمان ہی کر سکیں ،

کچھ بزرگوں نے ایسی کتابوں کے دیباچے لکھنے کا
بے حد اہم اور بہت خوب صورت فریضہ سنبھالا ہوا ہے
جہاں اپنی ممدوح سے ایک فٹ دُور ہٹنے کی توفیق ہو
تو بہت لڑکھڑاتے ہوئے جا پہنچتے ہیں "خوشبو" کے رستے پہ
اور اس سے آگے کسی امتحاں میں وہ پڑتے نہیں ،

خالقِ دو جہاں تم کو دامانِ رحمت میں آسودہ رکھے
مگر یونہی اک دن، کبھی سیرِ برزخ کے دوران

اپنی زمیں کی طرف سے گزر ہو تو

پروین شاکر!
بس اک پل ٹھہرنا' اور اِن بے حواسوں کو اتنا بتانا
کہ تم نے بہت زخم کھائے
بہت دُکھ اٹھائے
بہت دل جلایا
بہت علم حاصل کیا
اور پھر خونِ دل میں قلم کو ڈبو کر جو لکھا
وہی حرف باقی بچا ہے
کہ پُتلی تماشا سدا رہنے والا نہیں تھا
مگر شعر زندہ ہے
اور شعر زندہ رہے گا
بتانا
کہ شاعر کی کوئی حقیقت اگر ہے تو اتنی!
اور اِس کے علاوہ جو ہے سب فسانہ!!

فراغت

شبِ دیوانگی کے بعد
اپنے آپ سے لپٹے ہوئے بیٹھے ہیں
دل کے گِرد وہ تنہائی ہے
جس کی بہت مدت سے حسرت تھی
ہجومِ آرزو سے بچ نکلنے کی
ہمارے دل کو مہلت مل گئی ہے
آپ کی بیگانگی کے بعد
پہلی بار
اتنی سی فراغت مل گئی ہے
ہمیں رونے کی فرصت مل گئی ہے!

محبت بھول تو ہرگز نہیں تھی

محبت بھول تو ہرگز نہیں تھی
رات کے دامن میں اپنا منہ چھپائے
زندگی کی راہداری میں
خوشی کا پیچھا کرتے کرتے
میں کیوں تھک گئی

تم نے چُنا مجھ کو
بس اک لمسِ گریزاں کے لئے!
اب آئینے کی آنکھ زخمی ہو گئی ہے
اور مرہم دسترس میں ڈوبتی شب کے
نہ گونجیلی ہَوا کے ہاتھ میں ،

تم نے مجھے اخبار میں شائع شدہ کوئی خبر سمجھا
جو اگلے روز ہی بے معنی ہو جاتی

وطن کے لئے

وطن کے لئے نظم لکھنے سے پہلے
قلم، حرف کی بارگہ میں
بہت شرمسار و زبوں ہے
قلم سرنگوں ہے
قلم کیسے لکھے:

وطن! تُو مری ماں کا آنچل جو ہوتا
تو میں تجھ کو شعلوں میں گھِرتے ہوئے دیکھ کر کانپ اُٹھتی
زباں پر مری الاماں
اور آنکھوں میں اشکوں کا طوفان ہوتا ،

وطن! تُو مرا شیر دل بھائی ہوتا، تو
تیرے لہو کے فقط ایک قطرے کے بدلے
میں اپنا لہو نذر کرتی
شب و روز تیری جوانی
تری زندگی کی دعاؤں میں مصروف رہتی ،

وطن! تُو مرا خواب جیسا وہ محبوب ہوتا

کہ جس کی فقط دید ہی میرے جیون کی برنائی ہے
میں ترے ہجر میں رات بھر جاگتی
عمر بھر جاگتی
عمر بھر گیت لکھتی ،

وطن! تُو جو معصوم لختِ جگر میرا ہوتا
تو تیری اداؤں سے میں ٹوٹ کر پیار کرتی
بلائیں تری، ساری اپنے لیے مانگ لاتی
ترے پاؤں کو لگنے والی سبھی ٹھوکروں میں
میں اپنا محبت بھرا دل بچھاتی ،

وطن! تُو فقط میرے بابا سے میراث میں ملنے والی
زمیں کا وہ چھوٹا سا ٹکڑا جو ہوتا
کہ جس کے لئے میرا بھائی
مرے بھائی کے خوں کا پیاسا ہوا ہے
تو میں اپنی جاں کا کوئی حصہ
اور جرعہ ء خوں تجھے پیش کرتی ،
میں اپنے بدن پر کوئی وار، دل پر کوئی زخم سہتی
تو پھر شعر کہتی ،

قلم کیسے لکھے
یہ آدھی صدی سے زیادہ پہ پھیلے بہانے

یہ خود غرضیوں کے فسانے

قلم مہرباں شاعروں کا
قلم، غم گُسار عاشقوں کا
قلم، آسمانی صحیفوں کو مرقوم کرنے کا داعی
قلم نوعِ انساں کی تاریخ کا عینی شاہد
قلم، یہ مری عمر بھر کی کمائی

ازل سے ابد تک جو راز آشنا ہے
بہت سُرخرو اور شعلہ نوا ہے
قلم لکھ رہا ہے

کہ میرے وطن!
تُو ہی پُرکھوں سے میراث میں ملنے والی زمیں ہے
تُو ہی سر پہ پھیلا ہوا آسماں ہے
مری ماں کی گود اور آنچل
تُو میرا محافظ، مرا شیر دل بھائی
تُو میرا محبوب، وہ خواب زادہ
تُو ہی میرا معصوم لختِ جگر ہے
تُو ہی میری پہچان اور شان ہے
دل کی ٹھنڈک ہے!
نورِ نظر ہے!

جب کوئی گاتا ہے

دُور کوئی گا رہا ہے
ٹھنڈی ٹھنڈی چاندنی میں
برف جیسے دودھیا پھولوں کے تختوں پر
بہت گہری ہری اور لہلہاتی دُوب میں پھرتی
ہوائے سرد کے جھونکوں میں
نیند آنے کی پہلی ساعتوں میں
شبنمیں آواز
شب کی خوب صورت وادیوں میں تیرتی ہے
آسماں کے لاجوردی کانچ پر آہستہ
اپنے چمپئی پاؤں سے چلتی
دلربا آواز

جو مصروفیت میں کھو چکی اِس زندگی سے کہہ رہی ہے:
زندگی اے زندگی!
تو نے بھلا اُس کو کہاں کھویا؟
بھلا کس دل سے تو نے اُس نگیں کو
ادنیٰ پتھر کی طرح رستے میں چھوڑا
کیسے بارِ برگِ گُل کو تو نے اپنے شانوں سے
بوجھ کی طرح سے اُتارا
اندھی راہوں پر
بھلا کیسے بجھایا وہ ستارہ"
زندگی پلکیں جھپکنا بھول جاتی ہے

ہمیشہ رات اور دن کے تسلسل میں گِھرے انسان
اپنی زندگی کو بھول جاتے ہیں
سدا بیدار رہنے والی آنکھوں سے
کچھ ایسے خواب کا ریشم پھسل جاتا ہے
پلکوں کو خبر ہوتی نہیں ہے
وقت کو وردِ زباں کرتے ہوئے کوئی
خود اپنے آپ کو بھی بھولنے لگتا ہے

لیکن پھر کبھی اِن موسموں کے آنے جانے میں
کہیں اک یاد جیسا
خواب آگیں، دلنشیں موسم ٹھہر جاتا ہے،
جب کوئی
زمستاں کی اکیلی رات میں
سبزے کے اک میدان کے اُس پار
گاتا ہے

آگ

یہ مت کہو کہ صِلہ آرزو کا کوئی نہیں
کہ جب تلک مرے باطن میں آگ جلتی ہے
اور آئینے میں یہ شعلہ دکھائی دیتا ہے!

سراغِ اصل ہے آتش
فزوں کہیں بھی ہو
الاؤ میں ہو یہ رقصندہ وحشیوں کے بیچ
کہ قافلوں کے پڑاؤ پہ اوّلیں شب میں
یہ سات پھیروں کے وعدے میں ہو
کہ موت کا انت،
نمودِ عشق یہاں آگ ہی سے ممکن ہے

یہ اہلِ ہجر کی آنکھوں میں لَو جگاتی ہو
کہ دل زدوں کے لہو میں خروش کرتی ہو
قدیم وقت کے آتش کدوں میں جلتی ہو
کہ پہلے بیج سے تخلیق کے نکلتی ہو ،

یہ مت کہو کہ مرا عشق بامُراد نہیں
کہ جب تلک مرے باطن میں آگ جلتی ہے
اور اِس کا شعلہء لرزاں تمہیں جلاتا ہے!

زندگی جو کہانی بن گئی

جُدائی گہرے غم جیسی تھی
غم تھا، گہرے کالے پانیوں جیسا
بہت ہی بے پنہ شب تھی
جب اُس نے راستے میں ساتھ چھوڑا
راستے بھی راستوں ہی میں بھٹک کر رہ گئے
آنکھوں کے گرد و پیش جتنے بھی ستارے تھے
ٹھٹک کر رہ گئے ----------

اب ٹوٹتی جُڑتی ہوئی نیندیں ہیں
اور کچھ اجنبی راتیں،
مرے سب خواب
راتوں کے پرندوں کی طرح

اپنے پروں کی پھڑپھڑاہٹ سے
فضا کو مُرتعش کرتے، اُڑے جاتے ہیں
اور گہری خموشی میں، بہت سہمے ہوئے دل کو
ذرا کچھ اور سہانے لگے ہیں

مختلف ہے جاگنا فُرقت میں، وصلت سے
بہت ہی مختلف ہے زندگی کرنا
جُدا ہو کر محبت سے

کہانی میں محبت
اصل سے بھی خوب صورت اور طرب انگیز ہوتی ہے
جُدائی، اصل سے بھی ہولناک،

میری سب نظموں کا چہرہ
اب جُدائی سے مشابہ ہو گیا ہے
زندگی، کوئی کہانی بن گئی ہے!

مگر میری آنکھیں

میں اُس رات بھی
زندگی کے اسی گمشدہ راستے پر چلی جا رہی تھی
مرا ہجر مجھ کو لیے جا رہا تھا
مجھے اُس کی آنکھیں بلاتی تھیں اکثر
خوشی کے سبھی پھول رستے میں گِرتے گئے
پر مرے آنسوؤں کا نمک میرے ہونٹوں پہ باقی تھا
میری ہتھیلی پہ اُس لمس کی یاد تھی
اور مرا ہجر مجھ کو لیے جا رہا تھا
وہی راستہ تھا کہ جس پر اندھیرا ہمیشہ سے بھاری تھا
لیکن کبھی کچھ بتا کر تو آتا نہیں حادثہ

پھر کسی نے مری خاک اُٹھائی
کسی نے مرے پھول اُٹھائے
کسی نے ہتھیلی پہ اُس لمس کی یاد دیکھی

کسی نے وہاں جھاڑیوں میں پڑی
میری آنکھیں نہ دیکھیں!

اب اک اور ہی راستے پر چلی جا رہی ہوں
مرے آنسوؤں کا نمک میرے ہونٹوں پہ باقی ہے
میری ہتھیلی پہ اُس لمس کی یاد ہے
اور مرا ہجر مجھ کو لیے جا رہا ہے
مگر میری آنکھیں
وہیں جھاڑیوں میں پڑی رہ گئی ہیں

ہفت آسمان

(۱)

میں آسماں کے کنارے سے لگ کے بیٹھی ہوں
طلسمِ خاک سے نکلوں تو اُس طرف جاؤں
وفورِ رنگ سے نکلوں تو لاجورد بنوں
بہت ہی دُور سفر کا بھی اک ارادہ ہے
زمیں کے ساتھ رفاقت کا کوئی وعدہ ہے

(۲)

عجیب نیند ہے جس میں مرے تنفّس پر
خروشِ خواب کوئی دائرہ بناتا ہے
سوادِ ہجر مرے تن پہ پھیل جاتا ہے
میں جاگ اٹھتی ہوں اور سبز آسماں کی طرف
سیاہ ابر کے زینے پہ پاؤں رکھتی ہوں
کوئی خیال مجھے اُس طرف بلاتا ہے

(۳)

خبر نہیں یہ مرے خوں میں بے کلی کیا ہے
خبر نہیں یہ مرے تن میں آگ سی کیا ہے
خبر نہیں کہ مرے دل کو کس کا آوازہ
زمیں سے 'دور' خلاؤں سے دُور کھینچتا ہے
گڑے ہوئے ہیں گھنی ریت میں مرے پاؤں
اک آسماں مری آنکھوں کی سمت دیکھتا ہے

(۴)

لپیٹ رکھی ہے میں نے دبیز خاموشی
کبھی کبھی میں کوئی اک' پرت اتارتی ہوں
کبھی کبھی میں نئی ذات کے حوالے سے
کسی قدیم تصور کو پھر پکارتی ہوں
اترنے لگتی ہے دل میں مرے وہ ذاتِ قدیم
ازل سے جس کا تصور مجھے ڈراتا ہے

(۵)

عجب ہے لذتِ جاں' جلوہ گاہ دنیا میں
تو کھینچتی ہے کشش اور اک نظارے کی
عجب فرود گہِ دل ہے یہ خرابہ بھی
اور اک ستارۂ نو بھی نظر کو کھینچتا ہے
وہ آسماں جو مرے بال و پر کو کھینچتا ہے

(٦)

یہ خاکداں کہ فضائے بسیط میں ہے رواں
بہت حقیر فرومایہ اور سرگرداں
فروغ خاک سے اِس کا وجود قائم ہے
نمودِ عشق سے اِس کا غرور دائم ہے
مدارِ خواب سہی' سحرِ آفتاب سہی
یہ اپنے گرد بھی اک دائرہ بناتا ہے

(۷)

ملی ہوئی ہے جہاں پر جبینِ ارض و سما
سلام اہلِ خبر کو اُدھر سے آئے گا
سرودِ نغمہ کہیں یا صریرِ خامہ کہیں
کلام اہلِ نظر کو اُدھر سے آئے گا
صدائے جنبشِ دل ہو کہ ریزگیِ گُل کی
حیات نو کا پیام اُس طرف سے آتا ہے
وہ آسماں جو مری خاک کو جگاتا ہے